علمی، ادبی، دینی، وتبلیغی رسالہ

ماہنامہ اذان بلال آگرہ

جلد ۳۷

شمارہ: ۵، ۶

شوال، ذی قعدہ ۱۴۴۶ھ مطابق مئی، جون ۲۰۲۵ء

مدیر: ابوالبرکات مظاہری

بیادگار

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

موبائل نمبر: 9557358285

9411401142

فون: ۰۵۶۲_۲۵۲۰۷۴۸

زرتعاون ہندوستان سے

فی شمارہ............۲۵/روپے

سالانہ..........۲۵۰/روپے

خصوصی.........۲۰۰۰/روپے

سہ سالہ.........۷۵۰/روپے

لائف ممبری....۱۰۰۰۰/روپے

بیرون ممالک

۵۰/امریکی ڈالر کے مساوی

مجلس ادارت

اساتذۂ دارالعلوم آگرہ

○ اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی، آئندہ کے لئے براہِ کرم رقم ارسال فرمادیں

خط وکتابت کا پتہ: منیجر ''اذان بلال'' دارالعلوم آگرہ محلّہ پیر جیلانی آگرہ ۔۴

اس شمارے میں

نمبر شمار	فہرست مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	نبوت وملوکیت	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	۵
۲	چار پیسے کا فائدہ	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	۱۶
۳	فقہ وفتاوی	مفتی احمد صاحب خانپوری	۲۲
۴	دعوت کرنے اور کھانے کے آداب	مفتی ناصر الدین مظاہری	۳۱
۵	اسمائے حسنیٰ کے معارف	پیر ذوالفقار احمد نقشبندی	۴۷
۶	خبرنامہ	ادارہ	۵۸

Printed at : Rabbani Printers Katra Sheikh Chand Lal Kuan Delhi.110006
Published by:Abul Barakaat Mazahiri Darul Uloom Agra Peer Jilani Agra-4.

مضمون نگار کی ہر بات سے ادارہ ''اذان بلال'' کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ ادارہ

پرنٹر پبلیشر ابوالبرکات مظاہری نے ربانی پرنٹرس کٹرہ شیخ چاند لال کنواں دہلی سے چھپواکر ''دفتر اذان بلال'' دارالعلوم آگرہ محلّہ پیر جیلانی آگرہ نمبر۔۴۔ یوپی (انڈیا) سے شائع کیا۔

قسط آخر

نبوت وملوکیت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

قوم کے اخلاق کی نگہ داشت امیر المومنین کا فرض ہے

گویا اخلاق کی یہ نگہ داشت سرکاری طور پر تھی۔ ایک سیاسی نگہ داشت ہوتی ہے وہ تو ہر بادشاہ کرتا ہے۔ ایک اخلاقی تربیت ہوتی ہے۔ اسلام میں امیر المومنین کا یہ فرض ہوتا تھا کہ پبلک کے اخلاق وعادات کی اصلاح کردے۔ ان کے اخلاق اور گھریلو معاملات کو دیکھے کہ کوئی بداخلاقی تو نہیں ہورہی۔ ان کے تقویٰ وطہارت میں کوئی فرض تو نہیں آ گیا یہ ساری ذمہ داری امیر المومنین پر عائد ہوتی تھی۔

مذہبی معاملات میں پیشوائی امیر المومنین کا فرض ہے

یہی وجہ تھی کہ امیر کا حق سمجھا گیا ہے کہ وہ امامت کرائے۔ نماز پڑھانا۔ یہ امیر المومنین کا اصل کام ہے جس عہدے کو ہم بہت ہی گھٹیا اور ردی سمجھتے ہیں۔

یہاں تو خدا کا فضل ہے، یہاں کے مسلمان الحمدللہ مسجدوں کا صرف احترام ہی نہیں رکھتے بلکہ مسجدوں کو اپنے گھروں سے زیادہ آراستہ کرتے ہیں۔ ائمہ مساجد کی عزت بھی ہے، تنخواہیں بھی معقول ہیں۔ لیکن ہماری طرف اس بارے میں اس قدر حال ابتر ہے کہ جو بالکل کودن، نکما اور کندۂ ناتراش ہو، اسے امام بنائیں گے۔ جو حد درجہ جاہل ہو۔ جو دنیا کا کوئی کام نہ کرسکتا ہو، اسے امام بنائیں گے۔ جو اندھا، لنگڑا، لولا ہوا سے موذن بنائیں گے۔ جو دنیا کے کسی کام کا نہ

ہو۔اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارے گھر کا کمین ہے جیسے نائی، حجام، ڈوم کمین ہوتے ہیں۔ یہ امام بھی ایک کمین ہے جیسے شادیوں کے موقع پر حجاموں اور ڈوموں کو دیا جاتا ہے۔ مسجد کے امام کو بھی کچھ دے دیتے ہیں۔

حالاں کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ بڑا وقیع عہدہ ہے۔اس کو امام بنانا چاہئے جس کی محلے دار عزت وعظمت کرسکیں، اس کی عزت کرنا شریعت نے فرائض میں شامل کیا۔

اس لیے کہ وہ درحقیقت نبی کریم ﷺ کا نائب ہے یہ قائم مقام کی حیثیت سے امامت کرارہا ہے۔تو اصل میں یہ حق امیر المومنین کے لیے رکھا گیا ہے اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ **الناس علی دین ملوکھم** مثل مشہور ہے کہ لوگ اپنے بادشاہ کے طریق پر چلتے ہیں۔''جیسا راجہ ویسا پرجا'' جیسا بادشاہ ہوگا ویسی رعیت بنے گی، تو جب امیر المومنین پانچ وقت آ کر نماز پڑھائیں گے تو رعیت کا کون سا آدمی رہ جائے گا جو مسجد میں حاضر ہو کر نماز نہ پڑھے۔

اس لیے کہ لوگ بادشاہ کی شوکت کو دیکھ کر وہی کام کرتے ہیں جو بادشاہ کرتا ہے۔یعنی تو دین تو بڑی چیز ہے اگر بادشاہ فسق وفجور میں مبتلا ہے تو رعیت میں بھی ازخود وہی بات ہو جاتی ہے کہ رعیت بھی مبتلا ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک یہ اموی خاندان کا خلیفہ تھا۔اس کو شادیاں کرنے کا بہت شوق تھا۔ ناجائز تو نہیں کرتا تھا۔ چار بیویوں سے زیادہ نہیں رکھتا تھا مگر جسے جائز عیاشی کہتے ہیں کہ قانون کی آڑ رکھ کر عیاشی کرنا وہ کرتا تھا۔ چار بیویاں رہتی تھیں جہاں چھ ماہ گزرے ایک کو طلاق دی اس کا مہر ادا کیا۔اس کی جگہ پانچویں لے آئے۔ پھر دوسری کو طلاق دے کر اس کی جگہ لے آئے۔غرض اسی طرح کرتے کرتے اس نے دو اڑھائی سو کے قریب شادیاں کیں بس اس کا یہ شوق تھا۔ بادشاہت تھی، خزانہ ہاتھ میں تھا، دین ودیانت پیش نظر نہیں تھا کہ وہ قومی خزانہ اسی طرح سے ذاتی مصارف میں خرچ نہ کرتا۔ اتنا غنیمت تھا کہ حرام کاری

سے بچتا تھا۔ بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ نہیں ہوتی تھیں۔مگر چار میں رد و بدل ہوتا رہتا تھا۔ یہ اس کا طریقہ تھا۔

تو اس زمانے کے امراء کی مجلس میں بیٹھ کر فخر یہ باتیں ہوتی تھیں۔ایک رئیس کہتا کہ میں پچاس شادیاں کر چکا ہوں۔تو دوسرا کہتا آپ نے کون سا بڑا کام کیا۔میں سو بیویاں کر چکا ہوں تیسرا کہتا جناب! میں دوسو کر چکا ہوں۔چوں کہ بادشاہوں میں یہ طریقہ تھا تو ساری پبلک میں یہی چیز فخر کا باعث بن گئی۔

جس راستے پر امراء اور سلاطین چلتے ہیں اسی پر عام پبلک کے لوگ چلتے ہیں۔اس لیے شریعتِ اسلام نے امیر المومنین کا کام قرار دیا کہ وہ امامت کرائے تا کہ یہ ذلیل نہ رہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب امیر المومنین خود مسجد میں آئیں گے تو امراء میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا جو مسجد میں نہ آجائے۔غرباء ممکن ہے نہ آئیں لیکن امیر،نواب، اور جا گیر دار کوئی باقی نہیں رہے گا۔جو مسجد میں نہ آئے،اس لیے کہ انہیں بادشاہ کی رضا مندی اور اس راہ پر چلنا مقصود ہوتا ہے۔اب جب بادشاہ نماز کے راستے پر آ گیا تو وہ کہیں گے چلو ہم بھی نماز کے راستے پر سہی۔

عالمگیر کے زمانے کا واقعہ لکھا ہے کہ عالمگیر کے زمانے میں علماء کچھ کس مپرسی میں مبتلا ہو گئے،انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں رہا۔اس واسطے کہ امرائے اپنے نشۂ دولت میں پڑ گئے۔اب علماء سے مسئلہ کون پوچھے۔تو علماء بے چارے جوتیاں چٹخاتے پھرنے لگے۔عالمگیر چوں کہ خود عالم تھے۔اہلِ علم کی عظمت کو جانتے تھے۔تو انہوں نے کوئی بیان وغیرہ اخبارات میں شائع نہیں کرایا کہ علماء کی قدر کرنی چاہئے۔

یہ تدبیر اختیار کی کہ جب نماز کا وقت آ گیا تو عالمگیرؒ نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج فلاں والئ ملک جودکن کے نواب ہیں وہ ہمیں وضو کرائیں تو جودکن کے والی تھے انہوں نے سات

سلام کئے کہ بڑی عزت افزائی ہوئی کہ بادشاہ سلامت نے مجھے حکم دیا کہ میں وضو کراؤں ۔ وہ سمجھے کہ اب کوئی جاگیر ملے گی۔ بادشاہ بہت راضی ہے تو آپ فوراً پانی کا لوٹا بھر کر لائے اور آ کر وضو کرانا شروع کر دیا۔

عالمگیر نے پوچھا کہ وضو میں فرض کتنے ہیں، انہون نے ساری عمر کبھی وضو کی ہوتو انہیں خبر ہوتی، اب وہ حیران کیا جواب دیں، پوچھا واجبات کتنے ہیں؟ کچھ پتہ نہیں۔ پوچھا سنتیں کتنی ہیں۔ جواب ندارد

عالمگیر نے کہا، بڑے افسوس کی بات ہے کہ لاکھوں کی رعیت کے اوپر تم حاکم ہو۔ لاکھوں کی گردنوں پر حکومت کرتے ہو اور مسلم تمہارا نام ہے تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ وضو میں فرض واجب اور سنتیں کتنی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میں آئندہ ایسی صورت نہیں دیکھوں گا ایک کے ساتھ یہ برتاؤ کیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ایک دوسرے امیر سے کہا آپ ہمارے ساتھ افطار کریں۔اس نے کہا

جہاں پناہ! یہ تو عزت افزائی ہے۔ ورنہ فقر کی ایسی کہاں قسمت کہ بادشاہ سلامت یاد کریں اور جب افطار ہوا تو عالمگیرؒ نے ان سے کہا کہ مفسداتِ صوم جن سے روزہ فاسد ہوتا ہے کتنے ہیں؟

انہوں نے اتفاق سے روزہ ہی نہیں رکھا تھا۔ انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ روزے کے مفسدات کیا ہیں۔اب چپ ہیں کیا جواب دیں۔

عالمگیرؒ نے کہا۔ بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ تم مسلمانوں کے امیر، والئ ملک اور نواب کہلاتے ہو، ہزاروں آدمی تمہارے حکم پر چلتے ہیں اور تم مسلمان، ریاست اسلامی، تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ روزہ فاسد کن کن چیزوں سے ہوتا ہے۔

اسی طرح کسی سے زکوۃ کا مسئلہ پوچھا تو زکوۃ کا نہ آیا، کسی سے حج وغیرہ کا۔ غرض سارے

فیل ہوئے اور یہ کہا کہ آئندہ میں ایسا نہ دیکھوں۔

بس جب یہاں سے امراء واپس ہوئے۔ اب انہیں مسائل معلوم کرنے کی فکر پڑی تو مولویوں کی تلاش شروع ہوئی۔ اب مولویوں نے نخرے شروع کئے کہ ہم پانچ سو روپے تنخواہ لیں گے۔ انہوں نے کہا حضور! ہم ایک ہزار روپیہ تنخواہ دیں گے۔ اس لیے کہ جاگیریں جانے کا اندیشہ تھا۔ ریاست چھن جاتی۔ تو مولوی نہ ملیں۔ تمام ملک کے اندر مولویں کی تلاش شروع ہوئی۔ جتنے علماء طلبہ تھے سب ٹھکانے لگ گئے بڑی بڑی تنخواہیں جاری ہوگئیں اور ساتھ ہی یہ کہ جتنے امراء تھے انہیں مسائل معلوم ہوگئے اور دین پر انہوں نے عمل شروع کر دیا۔ تو یہ وہی بات تھی کہ **الناس علی دین ملو کھم** جیسا راجہ ویسی پرجا۔ جیسا بادشاہ ویسی رعایا۔ بادشاہ اگر خود دین کی طرف متوجہ ہو جائے تو ناممکن ہے کہ رعایا اور پبلک متوجہ نہ ہو۔ اس لیے کہ حکومت جو راستہ ڈالتی ہے پبلک اسی پر خوش دلی سے چلتی ہے۔

اس میں نیکی ہی کی بات نہیں بُری سے بُری بات ہو بادشہ اس کو رائج کر دے لوگ اس پر چلیں گے۔ آج کا تہذیب وتمدن چوں کہ حکومتوں کی طرف سے آیا ہے۔ تو آج کے تہذیب وتمدن کے کیا معنی؟ اسلام میں تہذیب وتمدن کے یہ معنی تھے کہ اخلاق ہونا، صبر وشکر حیاء وغیرت شجاعت وسخاوت ہو، لیکن آج تہذیب کے معنی کلب گھروں میں جا کر ناچنا، عریانی اور ننگے پن کا مظاہرہ کرنا، فحش اور بے حیائی کی باتیں کرنا، آج کی تہذیب کے یہ معنیٰ ہیں چوں کہ حکمرانوں کی طرف سے یہ تہذیب آ رہی ہے، پبلک بھی اسی پر چل رہی ہے اب انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ یہ اچھی یا بری چیز ہے۔ ہر اچھی یا بری چوں کہ اوپر والے کر رہے ہیں لہذا ہم بھی کر رہے ہیں۔ تو جس کے پیچھے شوکت اور قوت آ جاتی ہے وہ چیز دلپذیر بن جاتی ہے، دلوں میں گھر کر جاتی ہے لوگ اسے اختیار کر لیتے ہیں۔

اسی واسطے اسلام نے جتنی نیکیاں ہیں ان کا ذمہ دار خود امیر المومنین کو بنایا ہے یعنی حد کی

بات یہ ہے کہ اگر جنازہ آ جائے۔تو حق یہ ہے کہ امیر المومنین جنازے کی نماز پڑھائیں۔ظاہر ہے کہ جب امیر المومنین اور بادشاہ جنازے کی نماز پڑھائے گا۔تو امراء، جاگیردار،نواب جتنے بھی ہوں گے یہ لوگ میت سے کنارہ کشی چھوڑ دیں گے کہ بھئی میت کے پاس بھی جانا چاہیئے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھنا چاہیئے۔تو دیندار ہوجائیں گے، امامت کریں گے تو مساجد بھر جائیں گی۔نماز جنازہ پڑھائیں گے تو لوگ میت کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی شروع کر دیں گے۔امیر زکوۃ دے گا تو دنیا میں زکوۃ رائج ہوجائے گی۔جس کو قرآن کریم میں فرمایا گیا۔**الذین ان مکّنٰھم فی الارض اقاموا الصلوۃ واٰتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ولله عاقبة الامور.**

اگر ہم ان مسلمانوں کو زمین کی قوت وسلطنت دے دیں تو وہ تعیش نہیں اختیار کریں گے۔ **اقاموا الصلوۃ** یہ دین قائم کریں گے۔**وآتوا الزکوۃ** زکوۃ کا نظام قائم کریں گے،امر بالمعروف کا نظام قائم کریں گے۔اچھی باتیں دنیا میں رائج کریں گے۔منکرات کو مٹائیں گے۔ تو جب صاحبِ اقتدار منکرات کو مٹانے لگے تو پبلک میں کون رہے گا جو منکرات پر عمل کرے گا وہ بھی مٹائیں گے۔امیر المومنین معروف اور پاکیزہ خصلت کو رائج کرے تو ہر امیر وغریب رائج کرنیکی فکر میں لگے گا۔دین پھیل جائے گا۔اس واسطے امراء کے فرائض میں قرار دیا گیا ہے کہ نمازِ جنازہ بھی وہی پڑھائیں مسجد میں امامت بھی وہی کرائیں۔یہ منصب دراصل ایسا ہے جیسے آج دنیا میں گورنری کا عہدہ ہے جو کسی سلطنت یا صوبے میں بادشاہ کا نائب ہوتا ہے، امام اللہ کا نائب ہوتا اللہ کے رسول کا قائم مقام ہو کے کھڑا ہوا ہے۔تو دینی حکومت ہو تو یہ بڑے عہدے ہوتے ہیں۔

اسی واسطے فرمایا گیا **یؤم القوم اقرأھم لکتاب الله** امامت کا حق اس شخص کو ہے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہے اور **فان کانوا فی القراءۃ سوا فاعلمھم بالسنة** اور

اگر قرآن پڑھنے میں مقتدی اور امام سب برابر ہیں تو اسے امام بناؤ جو سنت کے علم سے زیادہ واقف ہو اور اگر قرآن وسنت میں سب کے سب ماہر ہوں پھر اسے امام بناؤ جو فقہ اور نماز کے مسائل زیادہ جانتا ہو اور اگر فقہ میں بھی سارے ماہر ہیں تو پھر اسے بناؤ جس کا نسب اونچا ہو۔ اور اگر اس میں بھی سب برابر ہیں پھر اسے بناؤ جو خوب صورت ہو۔

مطلب یہ کہ امام کے اندر کوئی خصوصیت ایسی ہو کہ مقتدیوں کو اس کے پیچھے کھڑے ہونےمیں کوئی عار پیدا نہ ہو۔ وہ اس کے ساتھ جھک جائیں اس کی بھی عزت کریں۔ اب اگر آپ جان بوجھ کر ایسے امام رکھیں جن کی صورت نہ شکل، نہ علم، نہ ہنر، کوئی چیز بھی ان کے اندر نہ ہو۔ جو ساری دنیا سے نکمے ہوں انہیں امام بنادو۔ تو پھر جیسا امام ہوگا، ویسی نماز ہوگی۔ ویسا آخرت میں اجر ملے گا۔

بہر حال یہ عہدے ہیں اور ان عہدوں کی ذمہ داری امراءِ اسلام کے اوپر ڈالی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وعظ، تقریر یا خطابت یہ امیر کے ہاتھ میں دی گئی ہے اور فرمایا گیا **لا یقص الا امیر اوماموراو مختال**۔ تقریر اور خطابت کا حق سب سے پہلے امیر المومنین کو ہے وہ خطیب بن کر وعظ کہے اور مسائل کہے یا پھر وہ بیان کرے جس کو امیر حکم دے اور مامور کرے کہ تم جا کے وعظ وخطابت کرو اور مسائل پہنچاؤ۔ اور تیسرا جو کرے گا وہ دھوکہ باز ہوگا۔ وہ اپنی اغراض کے لیے وعظ وتقریر کرے گا۔ اس لیے کہ جب نہ امیر نے اجازت دی اور نہ وہ خود امیر اور مامور، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ذاتی اغراض والا ہے۔

آج کے دور میں مجموعۂ علماء کو خلافت کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے

آج کے دور میں جہاں امارت ہے خلافت نہیں ہے تو علماء کے مجموعے کو امیر کے قائم مقام سمجھا گیا ہے۔ اگر وہ شہادت دیں کہ یہ اس قابل ہے کہ خطابت کرے، مسائل بیان کرے، اس

کوحق ہے لیکن جس کی کوئی سند نہ ہو پڑھا ہوا نہ ہو، کوئی عالم شہادت نہ دے کہ اس میں علم ہے۔ وہ اگر تقریر کرے گا ظاہر ہے دین کو فاسد کرے گا۔ اس کو آزاد نہیں رکھا گیا۔

تقریر وتحریر کی آزادی نہیں ہے بلکہ شہادت کے ساتھ تقریر وتحریر کی اجازت ہے اگر یہ عام ہو جائے جیسے آج ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ایک کچھ کہہ گیا دوسرا کچھ کہہ گیا۔ عوام تشویشات میں مبتلا ہوتے ہیں کہ کس کے مسائل پر عمل کریں۔ ایک جائز کہہ رہا ہے، ایک ناجائز کہہ رہا ہے اب ان بے چاروں کو یہ خبر تو نہیں ہے کہ عالم کا لبادہ پہن کر آیا خود عالم نہیں ہے عالم فلاں ہے۔ ان کے سامنے جو اللہ کا نام لے گا وہ کہیں گے یہ عالم ہے۔ امتیاز نہیں ہو سکے گا۔

یہی وجہ ہے کہ دین کے ساتھ امارت اور خلافت قائم کی گئی تھی کہ وہ دینی چیزوں کو اپنے قبضہ اور اقتدار میں رکھ کے آگے چلائے اسی لیے فرمایا گیا **لا یقص الا امیر او مامور او مختال** تقریر کرنے والا یا امیر ہوگا یا مامور ہوگا یا پھر دھوکہ باز ہوگا اور امیر کے قائم مقام اہل علم ہیں۔

ہمارے یہاں ہندوستان میں حیدرآباد اور بھوپال کی ریاستوں میں کچھ وقت پہلے یہ چیز تھی کہ جب کوئی باہر سے خطیب آتا تو علماء کی ایک مجلس جب تک پاس کر کے شہادت نہ دے کہ یہ اس قابل ہے کہ تقریر کر سکے۔ تقریر کی اجازت نہیں ہوتی تھی اس کا ثمرہ یہ ہوتا کہ ریاست میں صرف ایک خیال کے لوگ تھے۔ خیالات میں پراگندگی نہیں تھی، ایک مسلک پر سب عمل کرتے تھے عوام میں کوئی تشویش نہیں تھی، دین پر چل رہے ہیں۔

حیدرآباد میں بھی یہ چیز تھی اور بھوپال میں بھی۔ اس لیے وہاں علماء کی کثرت تھی علم کی عظمت بھی تھی اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کی جب ریاست قدردانی کرتی ہے تو دین پھیلتا ہے۔

بھوپال میں ایک عام دستور تھا کہ اگر کسی غریب آدمی نے اپنے بچے کو مکتب میں بٹھلایا تو آج مثلاً اس نے الٓمٓ کا پارہ شروع کیا تو ریاست کی طرف سے ایک روپیہ ماہوار اس کا وظیفہ

مقرر ہوگیا۔ جب دوسرا پارہ لگا تو دوروپے ماہوار ہوگیا۔ تیسرا پارہ لگا تو تین روپے ماہوار ہوگئے۔ یہاں تک کہ جب تیس پارے ہوں تو تیس روپے بچے کا ماہوار وظیفہ ہوتا۔

اوراس زمانے میں ساٹھ ستر برس پہلے تیس روپے ماہوار ایسے تھے جیسے تین سو روپے ماہوار۔ بہت بڑی آمدنی تھی۔ سستا زمانہ تھا، ارزانی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جتنے غریب لوگ تھے جنہیں کھانے کو نہیں ملتا تھا وہ بچوں کو مدرسہ میں داخل کردیتے تھے کہ قرآن کریم حفظ کرے گا تو اسی دن سے وظیفہ جاری۔ ہزاروں ایسے گھرانے تھے، اور ہزاروں حافظ پیدا ہوگئے۔ ساری مسجدیں حافظوں سے آباد ہوگئیں اس لیے کہ ریاست پشت پناہی کرتی تھی۔

تو یہ قاعدہ ہے کہ حکومت یا ریاست جس چیز کی پشت پناہی کرتی ہے وہ چلتی ہے اور عوام وخواص سب شوق کے ساتھ اس کو قبول کرتے ہیں۔ خلافت میں چوں کہ اصلی مقصود دین ہے، اس لیے امیر کے ذمہ فرائض عائد کئے گئے کہ جب بادشاہ دین پر چلے گا، تو رعیت اور پبلک بھی دین پر چلے گی اور دین عام ہوتا جائے گا۔ جب تک خلافت قائم رہی دین عام ہوتا رہا اور خلافت کے دوران میں تیس سال کے اندراندر نصف دنیا سے زیادہ اوپر اسلام کا پرچم لہرانے لگا پورا ایشیا، آدھا یورپ اور ایشیا کو چک، ان سب میں اسلام کا پرچم اونچا کردیا، اس لیے کہ سب کا مقصد یہ تھا کہ دین پھیلے۔

خلافت کے ختم ہونے کے بعد علماء ربانی اور صوفیاء کرام نے اسلام پھیلایا

خلافت کے ختم ہوجانے کے بعد جب ملوکیت، بادشاہ پسندی اور اقتدار پسندی کا دور آیا تو سلاطینِ اسلام نے محض اپنے اقتدار کے بچاؤ کے لیے آپس میں لڑنا شروع کیا۔ وہ جو دینی تبلیغ واشاعت تھی وہ قصہ ختم ہو چکا، اور جو ملک صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے زمانے دین میں آئے

وہ تو آئے اس کے بعد کسرویت وقیصرویت اور اقتدار پسندی غالب آئی تو سلاطینِ اسلام آپس میں تحفظِ اقتدار کے لیے لڑنے لگے۔ دین کی اشاعت اور حفاظت بے چارے علماء نے سنبھال لی، جتنا اسلام پھیلا وہ صوفیاء کی بدولت پھیلا، علماء کی بدولت پھیلا، جو چٹائیوں پر بیٹھنے والے تھے، ان کے ہاتھ میں نہ کوئی اقتدار تھا نہ کوئی سلطنت کی باگ ڈور تھی۔

اسی لیے ان لوگوں کو تاکیدیں کی گئیں کہ امراء کے پاس مت جاؤ بادشاہوں کی ہم نشینی اور صحبت مت اختیار کرو، ورنہ تم بھی دین سے جاؤ گے۔ ان سے ہٹ کر دین کو پھیلایا۔ تو دین رحم وکرم اور نرمی ومروت کے اخلاق کے راستے سے آیا۔

سلطنت کے راستے ختم ہوگئے وہاں اقتدار پسندی رہ گئی۔

ہمیں نبوت کے مزاج پر چلنا ہے۔

تو میں نے اس پر عرض کیا تھا کہ دنیا میں دو مزاج ہیں۔ ایک نبوت کا مزاج ہے اور ایک ملوکیت کا مزاج۔ بادشاہ کا مزاج اقتدار پسندی ہے اور نبوت کا مزاج خاکساری اور عجز و نیاز مندی ہے۔

نبی تمام سلاطین اور سارے لوگوں سے بالاتر ہوتا ہے لیکن ایسا جھک سکتا ہے جیسے عام آدمی جھک سکتے ہیں۔ بادشاہ ایک محدود خطہ میں رہتا ہے۔ وہ اپنے کو مابدولت کے ساتھ تعبیر کرتا ہے کہ ہم نے یوں کیا، ہم نے یوں کیا۔ تو لفظ لفظ کے اندر اقتدار اور رعونت ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے الفاظ میں انتہائی تواضع، خاکساری ہوتی ہے اور عجز و نیاز کا برتاؤ ہوتا ہے۔ اپنے سے چھوٹے کے سامنے بھی عجز و نیاز کا برتاؤ کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ سفر پر جا رہے تھے آپ ﷺ رخصت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **لاتنسانا یا اخی فی دعائک.** اے میرے بھائی! اپنی دعاؤں میں ہمیں فراموش مت کرنا۔ اللہ اللہ!

کہاں سردار دوعالم ﷺ اور فاروق اعظمؓ ایک خادم اور غلام ہیں ان کو فرماتے ہیں کہ میرے بھائی! مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا۔تو یہ انتہائی عجز و نیاز کی بات ہے کہ سردار اولین وآخرین اور سردار دوعالم ﷺ اپنے ہی ایک خادم اور چھوٹے کو فرما رہے ہیں کہ مجھے دعاء میں یاد رکھنا۔ یہ مزاج نبوت کا ہےاور وہ مزاج بادشاہت کا ہے۔ہمیں نبوت کے مزاج پر چلنا ہے۔

جب بادشاہت اور ملوکیت دنیا کو فاسد کردے تو پناہ کی جگہ صرف نبوت ہوتی ہے۔اس واسطےہم جتنا نبوت کے دامن میں آئیں گے۔اتنے ہی اخلاق بلند ہوں گے اتناہ یہ علم ومعرفت آئے گی۔اتنا ہی کیریکٹر اور کرادار عمدہ ہوگا۔اس واسطے انبیاءعلیہم السلام کی تعلیمات پر ان کی تربیت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے راستہ پر چلنا چاہئے۔اس علم کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ان اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ضعفاءقوی بن جاتے ہیں، جو پست ہوتے ہیں وہ شوکت والے بن جاتے ہیں، جو مظلوم ہوتے ہیں انہیں عدل مل جاتا ہے۔ یہ انبیاءعلیہم السلام کے راستہ پر ہی چلنے کا ثمرہ نکلتا ہے اس کے سوا پناہ کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

اس واسطے میں نے یہ چند جملے عرض کئے تا کہ دین کے اعتبار سے بھی نافع ہوں اور دنیا کی مشکلات بھی حل ہوں اور حل کا راستہ ایک ہی ہےاور وہ انبیاءعلیہم السلام کا راستہ ہے۔اسی کو فرمایا گیا **ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض** ۔ہمارے راستے پر چلو گے،ضعیف بھی ہوگےتو قوی بنادیئے جاؤگے بےشوکت ہوگےتو باشوکت کردیئے جاؤگے۔

اس واسطے یہ چند جملے میں نے اس آیت کےتحت عرض کئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو نیک راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے، ہمارے احوال بھی درست فرمادے۔ہمارا دین ودنیا دونوں درست فرمادے۔آمین

☆☆☆

چار پیسے کا فائدہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

ہمارے ایک تاجر دوست نے ایک مرتبہ یہ لطیفہ سنایا کہ ایک شخص دن رات اپنے کاروبار میں اتنا منہمک تھا کہ اسے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے سوا کوئی اور فکر نہ تھی، جب اس کا انتقال ہوا تو فرشتوں نے پوچھا کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو؟ جنت میں یا جہنم میں؟ اس نے بے ساختہ جواب دیا ''جہاں چار پیسے کا فائدہ ہو، وہاں بھیج دو''۔

یہ لطیفہ ہے تو یقیناً گھڑا ہوا، لیکن اس خاص ذہنیت اور مزاج کی تصویر ہے جس کے نزدیک اس کائنات میں پیسے سے بڑی کوئی چیز نہیں جس کے ہر ہر قول و فعل، نقل و حرکت، اور انداز و ادا کا مقصد پیسے میں اضافہ کرنا ہے، اور جس کام کے نتیجے میں پیسہ حاصل نہ ہو، یا کوئی معاشی فائدہ نہ ملے، وہ کام قطعی بیکار ہے، اور اس کے پیچھے اپنی توانائی خرچ کرنا حماقت ہے۔

کچھ عرصے سے اسلامی عبادتوں کے بارے میں بھی بعض لوگ اسی ذہنیت سے سوچنے لگے ہیں، یعنی اسلام میں جو عبادتیں فرض یا واجب قرار دی گئی ہیں، یا جنہیں مسنون یا مستحب قرار دیا گیا ہے، ان میں سے ہر ایک میں انہوں نے مادی اور معاشی فوائد کی تلاش شروع کر دی ہے، اگر کسی عبادت میں کوئی معاشی یا کسی اور نوعیت کا مادی فائدہ نظر آ گیا تو یہ حضرات نہ صرف خوش ہوتے ہیں، بلکہ اسی مادی فائدے کو عبادت کا اصل مقصد قرار دیتے ہیں، اور اگر کسی عبادت میں کوئی معاشی یا مادی فائدہ نظر نہ آیا تو نہ صرف یہ کہ خود اسے انجام نہیں دیتے، بلکہ یہ بات تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیتے ہیں کہ وہ کوئی عبادت ہے، قرآنِ کریم نے اسی طرزِ عمل کی طرف بڑے بلیغ انداز میں اشارہ فرمایا ہے، ارشاد ہے:

ومن الناس من يعبد الله على حرف فان اصابه خيرُ اِطمان به وان اصابته فتنةُ اِنقلب على وجهه خسر الدنيا والآخرة ذلک هو الخسران المبين.

لوگوں میں سے کچھ وہ ہیں جو ایک کنارے کھڑے ہوکر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اگر (عبادت سے) انہیں کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہوگئے، اور اگر انہیں کسی آزمائش سے سابقہ پڑ گیا تو (عبادت سے) منہ موڑ لیا، ایسے لوگوں نے دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان کیا۔ (سورۃ الحج:۱۱)

اسی بناء پر بعض حضرات اس قربانی کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہوجاتے ہیں جو عیدالاضحیٰ کے موقع پر انجام دی جاتی ہیں، انہیں چوں کہ اس عمل میں کوئی معاشی فائدہ نظر نہیں آتا، اس لیے وہ یہ باور نہیں کرپاتے کہ ایک ایسا عمل جو کسی نظر آنے والے معاشی یا مادی فائدے سے خالی ہو، عبادت کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اسلام اس کی طرف کس طرح دعوت دے سکتا ہے؟ ایسے حضرات یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اگر ''قربانی'' میں کوئی معاشی فائدہ ہونا ضروری ہے تو وہ ''قربانی کیا ہوئی؟ یہ سالانہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جس قربانی کی یادگار ہے، اس میں کون سا معاشی یا مادی فائدہ تھا؟ ایک باپ کو حکم ہوتا ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردو، بیٹا بھی کون سا؟ امنگوں اور مرادوں سے مانگا ہوا؟ جس نے ابھی بلوغ کی منزل بھی طے نہیں کی، باپ نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ میرے معصوم بچے کو کس جرم کی سزا دی جارہی ہے؟ وہ تو ابھی کسی جرم کے ارتکاب کے بھی لائق نہیں۔

پھر باپ نے بیٹے کو بھی بتایا کہ خواب کے ذریعے یہ صبر آزما واقعہ مجھے دکھایا گیا ہے، بیٹا نابالغ تھا، مگر جانتا تھا کہ پیغمبر کا خواب جھوٹا نہیں ہوسکتا، اس نے بھی یہ سوال نہیں کیا کہ میرا کیا جرم ہے جس کی سزا میں مجھے ذبح کیا جائے گا، اور آخر اس حکم میں حکمت ومصلحت کیا ہے؟

آخر میں ہوا کیا؟ یہ الگ بات ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا تو اس وقت باپ

اور بیٹا دونوں اس کا یہی مطلب سمجھے تھے کہ باپ کے ذمے فرض کیا گیا ہے کہ وہ بیٹے کو ذبح کرے، یعنی ایک ایسا عمل کرے جو نہ صرف بے فائدہ ہے، بلکہ عام حالات میں قانوناً اور اخلاقاً ہر اعتبار سے انتہائی سنگین جرم ہے، لیکن چوں کہ یقین تھا کہ یہ اللہ تعالی کا حکم ہے اس لیے اس کی حکمت و مصلحت پوچھنا بندگی کے خلاف تھا، چناں چہ باپ بیٹے دونوں کی حکم کی تعمیل پر کمر بستہ ہو گئے، دونوں اس جذبے سے سرشار تھے کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

شاعروں نے تو یہ کہہ کر شاعری کی ہے کہ ؎

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور یہ کہ ؎

متاعِ جان کو سنبھالے رہیں خرد والے
ہم ابتدائے سفر ہی اسی زیاں سے کریں

لیکن عشق ومحبت اور بندگی کے اس آخری درجے پر جیتے جاگتے عمل کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے نے دکھایا۔

اس عظیم قربانی کی یادگار میں ایک مسلمان سے جان نہیں، مال کا ایک حصہ مانگا گیا ہے، اور وہ بھی اس صورت میں جب وہ صاحب استطاعت ہو۔ اب اگر وہ اس ادنیٰ سے مطالبہ پر بھی یہ سوال کرے کہ اس قربانی میں میرا معاشی فائدہ کیا ہے؟ تو اس سے اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

تو بہ یک زخمے گریزانی ز عشق؟

تو بجز نامے، چہ می دانی زعشق؟

بات دراصل یہ ہے کہ اسلام کی مقرر کی ہوئی بہت سے عبادتوں میں یقیناً کچھ جسمانی، معاشرتی یا معاشی فوائد بھی ہیں، مثلا نماز کی پابندی سے جسمانی ورزش بھی ہوجاتی ہے، اور جماعت کی نماز سے نظم وضبط پیدا کرنے میں بھی مدد ملتی ہے، لیکن یہ فوائد ان عبادتوں کے ضمنی اور ثانوی فوائد ہیں، ان کا اصل مقصد نہیں ہیں، لہذا یہ کہنا سراسر غلط ہوگا کہ نماز کا اصل مقصد صحت برقرار رکھنا ہے، اور وہ جسمانی ورزش کی غرض سے فرض کی گئی ہے، حقیقت میں نماز ارو دوسری عبادتوں کا اصل مقصد اللہ تعالی کے احکام کی اطاعت اوراس کی رضا جوائی ہے، اوران کے ذریعے انسان کواس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ احکامِ الٰہی کے آگے بے چون وچرا سرخم کرنے کا عادی بنے، اس میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ اللہ تعالی کا حکم آجانے کے بعد وہ اپنی بڑی سے بڑی خواہش اور بڑے سے بڑے ذاتی مفاد کواس حکم پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوگا، اسی جذبے کا نام بندگی ہے، جب تک یہ جذبہ پیدا نہ ہو، اس وقت تک بندگی صرف ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہے، اسی لیے بعض عبادتیں ایسی بھی رکھی گئی ہیں جن کا ظاہری اسباب کے لحاظ سے کوئی خاص مادی یا معاشی فائدہ نظر نہیں آتا، مثلاً حج کے دوران بیت اللہ کے گرد چکر کاٹنا، دو پہاڑیوں (صفا اور مروہ) کے درمیان (بظاہر بے مقصد) دوڑنا، منیٰ میں جمرات پر کنکریاں مارنا، اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتو یہ سارے کام بظاہر بڑے غیر سنجیدہ اور قطعی غیر معقول نظر آتے ہیں، اور صرف روپے پیسے اور معاشی فوائد کے بھنور میں پھنسی ہوئی عقل کبھی یہ باور نہیں کرسکتی کہ ان گھڑ پتھروں سے بنے ہوئے تین ستونوں کو روزانہ کنکر مارنا ایسا کون سا عمل ہے جس کی خاطر (انفرادی سطح پر) ہزاروں روپے کا اور (اجتماعی سطح پر) کروڑوں کا زرِمبادلہ خرچ کیا جائے؟ اور جس کے لیے وہ افراد جن کے ایک ایک گھنٹے کی قیمت ہزاروں میں ہوتی ہے، متواتر کئی کئی دن تک اپنے اوقات اس کام میں صرف کریں؟

بلکہ انسان کو محض ایک ’’معاشی جانور‘‘ (Economic animal) سمجھنے والی ذہنیت اگر ’’چار پیسے کے فائدے‘‘ کا حساب لگانے پر آ جائے تو وہ نماز کے بارے میں بھی یہ حساب لگا سکتی ہے، کہ ایک عام نمازی مسلمان اوسطاً ڈیڑھ گھنٹہ روازنہ نماز پڑھنے میں خرچ کرتا ہے، جو مہینے میں پینتالیس گھنٹے بن جاتے ہیں، اگر وہ یہ پینتالیس گھنٹے کسی معاشی سرگرمی میں خرچ کرتا تو پیداوار اور آمدنی میں کتنا اضافہ ہو سکتا تھا؟

لیکن جس شخص کے پاس مادی وسائل واسباب سے آگے بھی کچھ دیکھنے کی صلاحیت موجود ہو، اور یہ حقیقت سمجھ سکتا ہو، کہ اس کائنات میں روپیہ پیسے ہی سب کچھ نہیں ہے، اس کے نزدیک عبادات سے متعلق اعداد وشمار کے اس حساب وکتاب کا مطلب محبت کو تجارت بنانے کے سوا کچھ نہیں۔

قربانی بھی ایک ایسی ہی عبادت ہے کہ اگر اسے خشک کاروباری نقطۂ نظر سے اعداد وشمار کی ترازو میں تولا جائے تو شاید اس میں سے ٹھیٹھ معاشی فوائد برآمد نہ ہوں، لیکن جو شخص بندگی کی روح اور حقیقت سے آشنا ہو، اسے محبت کے معاملات میں یہ خشک بہی کھاتہ کھولنے ہی سے گھن آئے گی، یہ تجارت نہیں عبادت ہے جو محبت سے شروع ہوتی ہے، اور پرستش تک جاتی ہے، اس میں چار پیسے کے نفع کی تلاش اس کے بنیادی مقصد ہی کے خلاف ہے، اس کا تو بنیادی مطمح نظر ہی یہ ہے کہ انسان کے دل میں ایسا گہرا جذبۂ اطاعت پیدا ہو کہ اللہ کے حکم کے آگے وہ اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار ہو، یہی وہ بنیادی جذبہ ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے، اور جس کے بغیر وہ فرعون اور نمرود بن کر دوسروں کے حقوق چھینتا اور ان کے جائز مفادات پر ڈاکے ڈالتا ہے، دوسری عبادتوں کی طرح ’’قربانی‘‘ بھی یہ جذبہ پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، بشرطیکہ وہ عبادت کے جذبہ سے کی جائے، اور اس میں ریاکاری اور دکھاوا مقصود نہ ہو، اور نہ وہ محض رسمی خانہ پُری اور ماحول کے دباؤ کے تحت انجام دی جائے۔

آخر میں ایک اور ضروری بات اسلام نے جہاں عید الاضحیٰ کے تین دنوں میں قربانی کی عبادت کو باعثِ فضیلت قرار دیا ہے، وہاں دوسرے بہت سے احکام بھی دیئے ہیں، ایک عبادت کی انجام دہی میں دوسرے احکام کو نظر انداز کرنا بندگی کا شیوہ نہیں، مثلاً یہ حکم بھی اسلام ہی نے دیا ہے اور انتہائی تاکید کے ساتھ دیا ہے کہ اپنے کسی عمل سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچاؤ، یہ حکم بھی آں حضرت ﷺ ہی نے عطا فرمایا ہے کہ اپنے گھروں کے ماحول کو صاف ستھرا رکھو، یہ حکم بھی آپ ﷺ ہی نے دیا ہے کہ لوگوں کی گذرگاہ اور راستوں کو گندہ نہ کرو، بلکہ راستے میں پڑی ہوئی گندگی یا کسی تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹا دینا، آن حضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق، ایمان ہی کا ایک شعبہ ہے، لہذا جہاں قربانی ایک صاحبِ استطاعت مسلمان کے لیے ضروری ہے، وہاں اس کے ذمے یہ بھی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ذبح شدہ جانور کی آلائش کو اس طرح ٹھکانے لگانے کا انتظام کرے کہ اس سے ماحول میں گندگی نہ پھیلے۔ ان آلائشوں کو شارع عام پر ڈال دینا، یا انہیں اس طرح چھوڑ کر چلے جانا کہ وہ پڑی سڑتی رہیں، اور لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہوں، ایک مستقل گناہ ہے، اور اس قسم کے گناہ کر کر کے عبادت انجام دینا بھی عبادت کے بنیادی مقصد سے جہالت کی دلیل ہے۔

خلاصہ یہ کہ قربانی ایک عبادت ہے، نہ تو یہ کوئی تجارت ہے جس میں ''چار پیسے کا فائدہ'' تلاش کیا جائے، اور نہ یہ کوئی ہڑبونگ ہے جو قواعد وضوابط سے آزاد ہو، اور اس کے دوران نظم وضبط اور صفائی ستھرائی کے احکام وآداب کو نظر انداز کر دیا جائے، اس عبادت کا تو اول وآخر پیغام ہی یہ ہے کہ

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین

بے شک میری نماز، میری قربانی، اور میرا مرنا جینا سب اللہ کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

☆☆☆

فقہ و فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم

عارضی وقف درست نہیں

سوال: میری زمین، جائیداد کے فروخت کیے بغیر زمین کی سالانہ آمدنی کا اندازہ لگا کر اور حج کے خرچ کا اندازہ لگا کر، جتنی مدت میں پانچ لوگوں کے حج بدل کا خرچ نکل آئے، اتنی مدت کے لیے میری زمین کسی مدرسے یا مسجد یا دینی دنیوی انجمن میں وقف کردی جائے، اور مدت پوری ہونے کے بعد واپس لے لی جائے، تو حج ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اس طرح وقف کرنا صحیح نہیں، اور اس سے حج نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم

وقف کسی خاص شخص کے لیے نہیں ہوسکتا

وقف کے انتظام میں خیانت کی جائے تو ٹرسٹی کیا کرے؟

سوال: ہمارے والد اور ان کے تین بھائی اور ایک پھوپھی نے مل کر بہ طور شرکت تجارت شروع کی، اللہ کے فضل سے اس میں خوب نفع ہونے لگا اور برکت ہوئی، تو تمام شرکاء نے طے کیا کہ ایک وقف ہماری دادی اور دادا کے نام سے بنایا جائے، اور سالانہ آمدنی کے نفع میں سے چند فی صد وقف میں دیے جائیں۔ یہ سلسلہ سالوں تک چلا، اور موقع بہ موقع شرکاء اپنے طور پر بھی وقف میں دیتے رہے۔ ہر سال للہ کام ہوتے رہے، وقف کے پیسوں سے دو زمینیں بھی خریدیں، جس کی سالانہ آمدنی ہوتی تھی اور للہ کام ہوتے تھے۔

ہمارے والد کے پھوپھی زاد بھائی ۱۹۸۱ء میں انتقال کر گئے، ۱۹۸۸ء میں ہمارے والد کا

انتقال ہو گیا، اور ۱۹۹۰ء میں ہمارے بڑے چچا انتقال کر گئے۔ اب دو چچا حیات ہیں۔

وقف بڑے چچا (جو حیات ہیں) کے قبضے میں ہے، چھوٹے چچا کو کوئی اختیار نہیں ہے، حالاں کہ وہ بھی ٹرسٹی ہیں۔ بڑے چچا کا کہنا ہے کہ وقف انہوں نے اپنے پیسوں سے بنایا ہے، وہ ان کا اپنا ذاتی (Personal) ہے، ہم اس کو غلط مانتے ہیں، بلکہ یہ عام (Common) ہے، جو تمام شرکاء نے مل کر قائم کیا ہے۔ جب ۳؍شرکاء وفات پا گئے، تو اب یہ اپنی ملکیت ظاہر کر رہے ہیں، حالاں کہ یہ عام (Common) وقف ہے۔

وقف نامے کی کاپی ہمارے پاس نہیں ہے، اب یہ عام وقف ہے یا وقف الاولاد ہے، وہ وقف نامہ ملنے پر معلوم ہوسکتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل لفظ ''وقف'' کے بہ جائے ''ٹرسٹ'' لکھ دیا گیا تھا۔

(۱) ہمارے بڑے چچا نے نامناسب طور پر وہ وقف اپنے نام کر لیا ہے، اس سلسلے میں کیا وعید ہے؟

(۲) ہمارے چھوٹے چچا ٹرسٹی ہونے کے باوجود کسی اختیار کے مالک نہیں، اگر حق بات پر وہ نہ بولیں تو وہ گنہ گار ہوں گے؟ اس سلسلے میں کیا وعید ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

شئ کو اپنی ملک سے نکال کر اللہ کی ملک میں دے دینا، اور اس کی منفعت کو فقر وغنا کا لحاظ کیے بغیر دائمی طریقے پر رضائے الٰہی کی نیت سے اشخاص وافراد، اداروں یا مساجد ومقابر یا دیگر کارِ خیر کے لیے مخصوص کر دینا۔ (مجموعہ قوانین اسلامی:۳۴۳)

وقف شدہ چیز واقف یا کسی اور شخص کی ملکیت میں نہیں رہتی، نیز اسے کسی کی ملکیت میں

(بیچ کر یا بذریعۂ بخشش)نہیں دیا جاسکتا، اور اس کو گروی بھی نہیں رکھ سکتے۔ (درمختار شامی۳/۴۰۲)

وقف کسی کا ذاتی نہیں ہوسکتا، وہ تو اللہ تعالی کی ملکیت ہے، لہذا آپ کے بڑے چچا کا یہ کہنا کہ وہ ان کا ذاتی وقف ہے، درست نہیں۔ اسی وجہ سے ان کا اس وقف کو اپنے قبضہ میں رکھنا اور ذاتی ملکیت سمجھ کر انتظام کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ آپ کے چھوٹے چچا ٹرسٹی ہونے کے باوجود اس سلسلے میں خاموش ہیں، ان کی یہ خاموشی شرعاً قابلِ مذمت ہے، انہیں چاہئے کہ آپ کے بڑے چچا کی جانب سے وقف کے انتظام وانصرام میں جو خیانت کی جارہی ہے اسے دور کرنے کی مکمل کوشش کریں، ورنہ شرعاً وہ بھی ذمہ دار ہوں گے۔ پرانے ٹرسٹیوں میں سے اکثر دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، تو ان کی جگہ پر ان کی اولاد میں سے لائق شخص کو منتخب کیا جائے، تا کہ وقف کا کام منظّم طریقے پر شریعت کے مطابق اور وقف کرنے والوں کی نیت کے مطابق چلتا رہے۔ فقط واللہ تعالی أعلم

زیادہ آمدنی کے حصول کی غرض سے وقف کی زمین بیچنا:

سوال: ہمارے گاؤں کی مسجد کے قریب ہائی وے روڈ پر واقع زمین ہے، جس کی سالانہ آمدنی ۵۷۱/روپے ہیں، اس میں سے محصول خرچ منہا کر کے ۱۵۰/روپے ملتے ہیں۔ فی الحال مسجد کی آمدنی اتنی نہیں جس سے مسجد کے ملازمین کی تنخواہ اور دیگر اخراجات، مرمت وغیرہ پورے ہوسکیں، لہذا مسجد کے ٹرسٹی حضرات اور جماعت کے لوگوں نے یہ طے کیا ہے کہ مذکورہ زمین کو بیچ کر جس کی موجودہ قیمت ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے، اس رقم سے مسجد کی دوسری زمین پر تعمیری کام کر کے کرایے پر دینے کے لیے کمرے بنا لیے جائیں، جن کی سالانہ آمدنی تقریبا ۱۵

سے ۱۸؍ ہزار ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ مذکور ٹرسٹ کی زمین بیچ کر سوال میں موجود حقیقت پر عمل کریں، تو شرعا اس میں کوئی حرج ہے؟

ان دنوں جس زمین کے ڈیڑھ لاکھ روپے ملتے ہیں، آگے چل کر شہری ترقی کے لیے حکومت کے لوگ لے لیں گے، تو ۲۰؍ ہزار روپے ہی ملیں گے۔ مزید یہ کہ ابھی ابھی ایک شخص کی زمیں جو راستے سے متصل تھی ۱۰؍ ہزار روپے میں لے لی ہے، جو اس زمین سے آدھے کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ لہذا مسجد کے ٹرسٹ کو نقصان نہ ہو، بلکہ فائدے کو پیش نظر رکھ کر جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

واقف نے وقف نامے میں وقف شدہ زمین کو بیچ کر دوسری جگہ تعمیر کرنے کی اجازت دی ہو، یا اس وقف شدہ زمین میں سے کوئی پیداوار نہ ہوتی ہو، تو اس صورت میں اسے بیچا جا سکتا ہے۔ اور اگر واقف نے وقف نامے میں اسے بیچ کر دوسری جگہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی، اور اس وقف کی زمین میں سے پیداوار حاصل ہوتی ہے، تو اسے بیچنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، لہذا زائد آمدنی حاصل کرنے کے لیے درست نہیں۔ (شامی ۳/ ۴۲۴، فتاویٰ عالمگیری ۲/ ۳۹۹، ۴۰۱)

البتہ اگر وہ زمین گاؤں کی آبادی کے قریب ہے، اور وہاں مکانات تعمیر کر کے ان کو کرایے پر دینے کی صورت میں جو آمدنی حاصل ہوگی، وہ کھیتی کر کے حاصل ہونے والی پیداوار سے زیادہ ہے، تو اس زمین میں مکانات کرایے پر دیے جا سکتے ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری ۲/ ۴۱۴) فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

پگڑی کی رقم مسجد مدرسے میں دینا:

سوال: محمد بھائی نے اپنا ذاتی مکان یا دکان پگڑی لے کر یونس بھائی کو کرایے پر دیا، کچھ سالوں کے بعد وہ مکان یونس بھائی نے دوسرے شخص سے پگڑی لے کر کرایے پر دے دیا، تو سرکاری قانون کے مطابق یونس بھائی کو جو پگڑی ملی ہے، اس میں ۳۳ ر فی صد پیسے محمد بھائی کو ملتے ہیں، اور ۶۷ ر فی صد یونس بھائی کو ملتے ہیں۔ محمد بھائی کو ۳۳ ر فی صد پیسے ملے ہیں وہ مدرسہ یا مسجد میں دیے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

محمد بھائی پگڑی کی وہ رقم مسجد یا مدرسے میں دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

نیچے کے حصے میں دکانیں بنا کر اوپر کے حصے میں مسجد بنانا:

سوال: احمد آباد شہر میں واڈیا نامی ایک علاقہ ہے، اس پورے علاقے میں غیر مسلموں کی آبادی ہے، کوئی مسلمان نہیں۔ وہاں ''واڈیا گولواڈ'' نامی ایک مسجد ہے، جو ۱۹۶۹ء کے قومی فسادات میں ختم ہو چکی ہے، اور اسی وقت سے وہ مسجد خستہ حال ہے، تعمیری کام کرانے کے باوجود وہ نماز پڑھنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ اس مسجد کی بڑی جگہ میں گراؤنڈ فلور پر دکانیں تعمیر کرنے کی بہت سی پیش کش آئی ہیں، لیکن شرعی مسئلے کی بناء پر قبول نہیں کی جاتیں، اور ٹرسٹ کا بہت زیادہ اقتصادی نقصان ہوتا ہے۔

اس صورتِ حال میں ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تہ خانے میں دکانیں بنا دیں اور اوپر کے حصے میں مسجد تعمیر کر دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ بتلائیں۔ اگر تین منزلہ عمارت بنائیں تو تیسرے منزلے پر مسجد تعمیر کریں، اور گراؤنڈ فلور اور فرسٹ فلور پر دکانیں تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس

سلسلے کی بھی رہنمائی فرمائیں۔ اگر وہ جگہ استعمال نہیں کی گئی تو اس کے بلاک ہوجانے کا خطرہ ہے۔ فی الحال وہاں پارلر لگائے جاتے ہیں، اور صبح سویرے غیر مسلم لوگ قضائے حاجت کے لیے بھی جاتے ہیں۔

(۱) اس جگہ میں ۳ رمنزلہ عمارت تعمیر کریں، تو شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۲) شرعی اعتبار سے تعمیری کام کی اجازت حاصل ہو، تو کافی بڑی رقم کی آمدنی کی امید ہے۔ لہٰذا مناسب رہنمائی فرمائیں۔

(۳) اگر اس جگہ کو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے تو وہ مسجد سے خارج ہوجائے گی، نیز غیر مسلم آبادی ہونے کی وجہ سے وہاں مصلیوں کے پہنچنے کے امکانات بہت کم ہیں، لیکن یہ ملکیت ہاتھ سے نہ نکل جائے، اس لیے تیسرے منزلے پر مسجد رکھی جائے اور تہ خانے اور پہلے منزلے پر دکانیں تعمیر کرکے کرایہ حاصل کریں، ایسی کوئی سودمند راہ نکالنے کی درخواست ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

آپ کے سوالات کے اصل جوابات دینے سے قبل دو باتیں جاننا ضروری ہے:

اولاً یہ کہ کسی جگہ ایک مرتبہ جب مسجد بن جائے تو وہاں مسجد کی عمارت باقی رہے یا نہ رہے، اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، مسلم آبادی ہو یا نہ ہو، بہر حال وہ جگہ قیامت تک مسجد ہی کہلائے گی، دیگر زمینوں کی طرح فنا نہیں ہوگی، بلکہ جنت میں پہنچائی جائے گی۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۸۲/۲)

دوسری بات یہ ذہن نشین کرلیں کہ کسی جگہ جب مسجد بنائی جائے، تو شروع سے ہی مسجد بنانے والا (واقف) یہ نیت کرے کہ مسجد کے نیچے کے حصے میں مسجد کے گزارے کے لیے دکانیں

اوراوپر کے حصے میں امام اورموذن کے لیے کمرے بھی بنانے ہیں۔یعنی مسجد کے پہلے ہی پلان میں یہ تمام چیزیں شامل ہیں،تو بنا سکتے ہیں۔البتہ جب ایک مرتبہ مسجد تیار ہوچکی اوراس پہلی تعمیر میں نیچے کے حصے کی دکانیں وغیرہ شامل نہ تھیں تو مسجد کا اوپر کا حصہ آسمان تک اور نیچے کے حصے تحت الثریٰ تک مسجد ہی کے حکم میں ہے،اور دوبارہ تعمیر کر کے مسجد کی آمدنی یا گزارے کے لیے دکان یا کمرے وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے،اس جگہ کا احترام مسجد ہی طرح کرنا ضروری ہے۔(در مختار شامی ۳/۴۰۶)

آپ نے سوال میں ٹرسٹ کے اقتصادی نقصان کو تو پیش نظر رکھا ہے،لیکن ۱۹۶۹ء سے منہدم کردہ اس مسجد کو دوبارہ مسجد کے طور پر کیسے آباد کیا جائے،اور مسجد کا احترام کیسے باقی رہے، اس طرف توجہ نہیں دی،آپ کے تمام سوالات میں اس مسجد کی جگہ کو بہ طور ملکیت اور آمدنی کے ذریعے کے طور پر قبضے میں رکھنے کی طمع جھلک رہی ہے،لہذا اولاً تو آپ اپنی اس لالچ کو بدل کر مسجد کا احترام،عظمت اور مسجد کی حیثیت کیسے باقی رہے؟اس کو ترجیح دیجیے۔آپ نے جونقشہ بھیجا ہے اس کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں پہلے دکانیں تھیں وہاں دوبارہ دکانیں اوراوپر آفس بنا کر آمدنی (وہ بھی مسجد کے گذران کے لیے ہی) حاصل کریں اور مسجد کی اصل جگہ (جماعت خانہ اور صحن) کو مضبوط تعمیر کر کے اس میں پانچ وقت نہیں،تو کم از کم جمعہ کی نماز کا انتظام کریں،تاکہ مسجد کا احترام اور عظمت باقی رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

افطار کا کھانا بنانے کے لیے عورت کا مسجد کے میدان میں ظہر سے مغرب تک رہنا

سوال: مسجد یا مدرسے کے کمپاؤند میں رمضان المبارک میں گاؤں کی عورتیں افطار کا کھانا

بناتی ہیں، اور عورتیں مدرسے میں افطار کریں اور مرد مسجد میں۔ پڑوس میں امام صاحب بھی رہتے ہیں، تبلیغی جماعت کی آمد ورفت بھی ہوتی ہے، اور تراویح پڑھانے کے لیے باہر سے حفاظ بھی آتے ہیں، ایسے موقع پر نہایت شرمندگی ہوتی ہے۔ ظہر سے مغرب تک عورتیں مسجد کے کمپاؤنڈ میں رہ کر کھانا بناسکتی ہیں؟ افطار کر سکتی ہیں؟ دینی مسائل سے واقف فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں کہ عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالسِ وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ اس طرح عورتوں کا جانا مکروہِ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے۔ اور اس حکمِ فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ اگر عورتوں کی یہ حرکات جو انہوں نے اب اختیار کی ہیں، رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے، جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔

اس حدیث سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں میں جانا سببِ فتنہ تھا، اور اسی وجہ سے حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ و دیگر اکابرِ صحابہؓ عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ عینیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت میں جس میں عورتوں کا زمانہ رسالت پناہی میں عیدین میں جانا مذکور ہے، تحریر فرماتے ہیں:

علماء نے فرمایا کہ عورتوں کا عیدین میں جانا رسولِ خدا ﷺ کے زمانے میں اس لیے تھا کہ

وہ زمانہ خیر وبرکت کا تھا، اور فتنے کا خوف نہ تھا، اور آج کل جوان خوب صورت، خوش وضع عورتیں ہرگز نہ جائیں، اور اسی لیے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کی یہ حرکات ملاحظہ فرماتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بہت تھوڑے دنوں بعد کا ہے، اور آج کل تو خدا کی پناہ! پس مطلقا عورتوں کو عید اور غیر عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ علامہ عینیؒ کے الفاظ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب کہ علامہ عینیؒ اپنے زمانے میں یہ فرماتے ہیں کہ ''آج کل کی عورتوں کے حالات سے خدا کی پناہ!'' تو پھر ہمارے اس زمانے چودہویں صدی کی عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے!

آگے چل کر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ باوجود یہ کہ نمازِ پنج گانہ اور عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں رسول خدا ﷺ کے زمانے میں عورتیں جاتی اور شریک ہوتی تھیں، اور یہ جماعتیں فرائض کی جماعتیں ہیں اور شعائرِ اسلام میں ہے، مگر اختلافِ زمانہ اور تغیر حالات کی وجہ سے صحابۂ کرام اور ائمہ عظام نے عورتوں کو ان جماعتوں سے روک دیا۔ (کفایت المفتی ۵/۳۹۱-۳۹۴ملخص)

لہذا رمضان المبارک جیسے مہینے میں عورتوں کا مسجد مدرسے کے کمپاؤنڈ میں ظہر سے مغرب تک جمع ہونا اور افطار کی تیاری کرنا اور وہاں افطار کرنا کیسے جائز اور درست ہوسکتا ہے؟ یہ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

☆☆☆

دعوت: کرنے اور کھانا کھانے کے آداب

مفتی ناصرالدین صاحب مظاہری
استاذ مظاہرعلوم وقف سہارنپور

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال:
لاَ تُصَاحِبْ اِلَّاموءمِنًا، وَلاَ یاکل طَعَامَکَ اِلَّا تقی. (ابوداود،ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مومن کے سوا کسی کو ساتھی نہ بناؤ اور تمہارا کھانا سوائے پرہیزگار کے کوئی اور نہ کھائے‘‘۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سب سے برا کھانا وہ ولیمہ ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ **شر الطعام طعام الولیمة یدعی لها الاغنیاء، ویترک الفقراء.** (بخاری)

آج کل ہمارا عمل عموماً اس حدیث شریف کے مطابق ہورہا ہے یا نہیں اس کا اندازہ آپ خود کرسکتے ہیں، اب عام طور پر ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ غریبوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور امیروں، اپنے ہم منصبوں اور برابر والوں کو دعوت میں بلاتے ہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ سبھی لوگ اپنی دعوتوں میں غریبوں کو محروم کردیتے ہیں اب بھی اس دنیا میں بہت سے خدا کے نیک بندے ایسے ہیں جو اپنے دسترخوان پر غریبوں کو مدعو کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں چنانچہ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے ایک ارادت مند تھے ان کا نام حاجی عبدالمجید تھا، یہیں مظاہرعلوم کے پیچھے محلّہ نیا بانس کے رہنے والے تھے، ان کا ہمیشہ یہی عمل رہا کہ وہ وقتاً فوقتاً دعوت کا نظام بناتے اور ائمہ، مؤذنین، طلبہ اور ملازمین کو مدعو کرتے

تھے۔انہوں نے اپنی اولاد کووصیت کررکھی تھی کہ ہمیشہ غریبوں کی دعوت کرنا۔چنانچہ اُن کے فرزندان کا یہ عمل اب بھی جاری ہے ہمیشہ غریب طلبہ،غریب لوگ،غریب علماء اورغریب ملازمین کی دعوت کرتے ہیں۔

ہمارے دوست مفتی جمال احمد مظاہری نصیرآبادی نے مجھے ایک پیغام بھیجا ہے جس میں انہوں نے الہٰ آباد کے ایک صاحب خیر کا واقعہ لکھا ہے:

''تقریباپانچ سال پہلے کی بات ہے مسجد سے گھر آیا تو ایک کارڈ ولیمے کا ملا، میں داعی سے واقف نہیں تھا،خیال ہوا کہ مسجد یا مدرسے کے تعلق سے کسی علم دوست نے دعوت دی ہے، وقت مقررہ پر پروگرام کی جگہ پہنچا تو بہت خوبصورت اور نورانی منظر دیکھنے کو ملا ہر طرف کرتا پاجامہ؛داڑھی ٹوپی نظرآئی،الہ آباد کے اکابر اور اصاغر علماء تخت پر دسترخوان بچھا کر کھانا تناول فرماتے نظر آئے۔داعی کے بارے میں معلوم ہوا کہ نثاراحمد نام ہے، پیشے سے انجینئر ہیں، الحمدللہ اچھاخاصا کاروبار ہے،انہوں نے الہ آباد کے ہر محلّہ میں ایک شخص کو کارڈ دیکر ذمہ دار بنا دیا کہ آپ کے محلّہ میں جوبھی عالم یا حافظ یا مسجد کا امام اور مؤذن،مکتب کا معلم ملے اُسے آپ دعوت نامہ پہنچادیں۔

انہوں نے شہر الہ آباد کے تقریباً سارے ہی علماء اور صلحاء کو اپنے دسترخوان پر جمع کردیا۔نکاح بھی بڑی سادگی کے ساتھ مسجد میں ہوا''۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفرحسینؒ امیروں کی دعوتوں کوٹال دیا کرتے تھے لیکن غریبوں کی دعوتوں کے مشتاق رہا کرتے تھے،فرمایا کرتے تھے:

''غریبوں کی دعوتیں بے لوث ہوتی ہیں،ان کا اپنا کوئی مفاد نہیں ہوتا ہے،ان کی کمائی نہایت پاکیزہ ہوتی ہے، پاک کمائی کے اپنے ہی انوار و برکات ہوتے ہیں''۔

اسی لئے مفتی صاحب نے ایسے ایسے لوگوں کی دعوتیں بھی قبول کر لی ہیں کہ جب اس غریب کے گھر پہنچے تو صحیح سے بیٹھنے کی بھی جگہ ندارد تھی۔

جب ذکر آ ہی گیا ہے تو لگے ہاتھوں ایک واقعہ مدرسہ کے فراش (چپراسی) ملا یسٰین قریشی کا پیش کرتا چلوں:

ایک دن ملا جی نے مجھ سے اپنا ایک واقعہ بتایا کہ حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ جلدی کسی کی دعوت قبول نہیں فرماتے اور میری ایسی پوزیشن نہیں تھی کہ مفتی صاحب کی دعوت کروں، گھریلو حالات خراب تھے، ایک دفعہ میں حضرت کے پاس دفتر اہتمام میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک مفتی صاحب نے فرمایا کہ بھائی یٰسین! آج آپ کے یہاں میری دعوت ہے! یٰسین قریشی کہتے ہیں یہ سننا تھا کہ میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، میں نے صاف صاف عرض کر دیا کہ حضرت! میرے گھر کے چوہے بھوک کی وجہ سے عصا لے کر چلتے ہیں اور آپ دعوت کی بات کر رہے ہیں؟ مفتی صاحب نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں جو ماحضر ہوگا وہی کھا لوں گا، میں نے کہا کہ حضرت! صاف بات یہ ہے کہ ماحضر ہی نہیں ہے، فرمایا پھر بھی تمہارے گھر چلیں گے اور اگر کچھ مل گیا تو ٹھیک ورنہ واپس چلے آئیں گے، حضرت مولانا اطہر حسینؒ جو اپنی مخصوص زاہدانہ شان اور قناعت پسندانہ آن کی وجہ سے مشہور تھے اور وہ تو کہیں بھی کسی کے یہاں بھی دعوت میں نہیں جاتے تھے، دعوت کی اِس گفتگو میں شریک ہوگئے اور کہنے لگے کہ بھائی یٰسین! بھائی صاحب کے ساتھ میں بھی آؤں گا۔

یٰسین صاحب کہتے ہیں کہ میری حالت تو ایسی ہوگئی کہ کاٹو تو خون نہیں، میں جلدی جلدی گھر پہنچا، ڈرتے ڈرتے اپنی اہلیہ کو یہ واقعہ بتایا اور صاف صاف کہہ دیا کہ میں نے دعوت کی پیش کش بالکل نہیں کی تھی، مفتی صاحب نے خود ہی فرمایا ہے اب کیا ہوگا؟

یٰسین قریشی صاحب کی اہلیہ نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہے آنے دو، میں نے کہا اللہ کی بندی وہ کوئی عام انسان نہیں ہیں مظاہر علوم کے ناظم صاحب ہیں ساتھ ہی ان کے بھائی بھی ہیں، اہلیہ نے کہا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے مائکے سے عقیقے کا کھانا آیا ہے وہی ان کے سامنے رکھ دیں گے۔اتنے میں مفتی صاحبؒ اور مولانا اطہر صاحبؒ رکشہ میں بیٹھ کر میرے گھر پہنچ گئے، جو کچھ تھا سامنے رکھ دیا گیا، دونوں بھائیوں نے بڑی محبت اور اپنائیت سے تھوڑا سا کھانا کھایا، چلتے وقت مفتی صاحبؒ نے دوسو روپے اور مولانا اطہر حسین صاحبؒ نے سو روپے بھی عنایت فرمائے، اس زمانہ میں یہ رقم میری تنخواہ سے بھی زیادہ تھی اور مجھے اُن دنوں روپوں کی سخت ضرورت تھی۔

میں امیروں کی دعوتوں کا مخالف نہیں ہوں، آپ کریں شوق سے کریں لیکن امیروں کے چکر میں اگر آپ نے غریبوں کو بھلا دیا تو اس میں غریبوں کا نقصان کم ہوا آپ کا نقصان زیادہ ہوا کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں سے محبت اور تعلق کے جو فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں آپ اُن فضائل سے محروم رہ جائیں گے۔اسی طرح امیر کھانا کھانے کے بعد آپ کا نام نہیں لے گا، آپ کے کھانے کی تعریفیں نہیں کرے گا، لیکن غریب ہمیشہ آپ کی دعوت کو یاد رکھے گا، جب بھی دعوت کا ذکر آئے گا آپ کو دعائیں دے گا اور یہی مخلصانہ دعائیں اِن شاءاللہ آپ کے لئے قبولیت اور ترقی کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔

ہمیں قبولیت دعوت کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ پیش نظر رکھنا چاہئے، کیسے کیسے غریبوں کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہیں کہ آپ تصور نہیں کر سکتے۔کیسے کیسے کھانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن غریبوں کے یہاں کھائے ہیں کہ آج ہم وہ کھانے ہضم نہیں کر سکتے۔غریب دنیا میں بھلے ہی غریب ہے لیکن آخرت کے

اعتبار سے بہت امیر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے جب جنت دیکھی تو اس میں مجھے غریبوں کی تعداد سب سے زیادہ نظر آئی۔

ایک دفعہ ماہ رمضان کی آمد آمد تھی، غالبًا رجب یا شعبان کا مہینہ تھا، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے ماہِ رمضان میں ملک کے دُور دَراز علاقوں میں جانے والے سفراء حضرات کو شعبۂ تحفظ میں طلب فرمایا، اِس موقع پر آپ نے امانت، دیانت، ہمدردی، خیر خواہی، سفر کے آداب، مسافروں سے رویہ اور خاص کر جب کسی کے یہاں چندے کے لئے جائیں تو اُس موقع پر آدابِ گفتگو اور عرض حال پر بصیرت افروز نصائح فرمانے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ

''ہمیشہ یاد رکھنا کہ غریب شخص کا چندہ پہلے لینا، امیر کے چندے میں وہ برکت نہیں ہوتی جو غریب کے چندے میں ہوتی ہے، اسی طرح غریب کا چندہ کم سمجھ کر ہرگز چھوڑنا نہیں، ممکن ہے اللہ پاک اُس غریب کے چندے کی برکت سے امیروں کا چندہ بھی قبول فرمالے''۔

ٹیک لگا کر کھانا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جون پوری رحمہ اللہ مکہ مکرمہ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے، علماء اور امراء بھی خدمت میں موجود تھے، کسی نے حضرت کو چاکلیٹ پیش کی، حضرت نے ٹیک چھوڑ دی، سیدھے بیٹھ گئے اور چاکلیٹ کھانے لگے، موجود لوگوں کو بھی حکم دیا کہ سیدھے بیٹھ کر آئس کریم یا چاکلیٹ کھاؤ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی ٹیک لگا کر نہیں کھایا، حدیث شریف میں ہے: **ما اکل رسول الله صلى الله عليه وسلم طعاما متکئا** یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ٹیک لگا کر نہیں کھایا۔

(مولانا محمد یونس جونپوری کی ہمہ جہت شخصیت صفحہ ۱۱۱)

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

”وعن عبد الله بن عمرو قال: ما رئی رسول الله صلی الله علیه وسلم یأکل متکئا قط و لا یطأ عقبه رجلان“ (کتاب الاطعمۃ، الفصل الثانی، ج۲،ص۱۲۱۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا کھانے کے لئے دوطریقے بیٹھنے کے ثابت ہیں یعنی دایاں گھٹنا کھڑا کرکے اور بایاں گھٹنا بچھا کر بیٹھنا اور دوسرا طریقہ تشہد کی طرح بیٹھنا۔

ہم نے پہلے تو یہ دونوں طریقے چھوڑ دئے آلتی پالتی مار کر بیٹھنا شروع کر دیا، پھر زمین پر بیٹھنا بھی تقریبا ترک کر دیا اور میز وکرسی پر براجمان ہو گئے۔ دھیان دیجیے کرسی پر بیٹھنے والے عموما ٹیک لگا کر کھاتے ملیں گے اور اگر آگے کی طرف جھک بھی گئے تو نیت سنت نبوی کی نہیں ہوگی بلکہ کپڑوں کو داغ دار ہونے سے بچانا یا کھانے کی ڈشوں تک رسائی مقصود ہوگی۔ اوراب تو خیر میز وکرسی بھی آخری سانسیں لے رہی ہے اور کھڑے کھڑے کھانے کا چلن اس قدر عام ہو گیا ہے کہ شرفاء نے شرافت کو مین گیٹ کے باہر کھڑا کر دیا ہے، اوباشوں اور بدمعاشوں نے "تہذیب جدید" کو گلے لگا لیا ہے۔ ایسی تقریبات میں صاحبان عبا وقبا اور حاملان جبہ ودستار کو جانا ہی نہیں چاہیے جہاں سنت نبوی کو کھرچ کھرچ کر نکال باہر کیا گیا ہو۔

ہاں البتہ فتح الباری میں ان لوگوں کے لئے اجازت بھی موجود ہے جو کسی عذر ومعذوری کی وجہ سے مسنون ہیئت پر بیٹھ نہ سکیں فرمایا: فإن كان بالمرء مانع لا يتمكن معه من الأكل إلا متكئا لم يكن في ذلك كراهة.

اگر کسی شخص کو کوئی ایسا عذر لاحق ہو کہ وہ بغیر ٹیک لگائے کھا نہ سکے، تو اس میں کوئی کراہت (ناپسندیدگی) نہیں ہے۔"

ایسے معذورین کے لئے تو عبادات میں بھی رعایت موجود ہے اس لئے ہمیں خواہ مخواہ عذر لنگ سے کام نہیں لینا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے صحت دی ہے تو صحت مندوں کی طرح نشست ہونی

چاہیے خواہ مخواہ بیمار نہیں بننا چاہیے کیونکہ بتکلف بیمار بننے سے انسان واقعی بیمار بھی ہوسکتا ہے۔

نیوتہ: بدعت بھی ہے سود بھی ہے

شادی بیاہ کے موقع پر ایک قبیح رسم نیوتہ کی چل پڑی ہے نیوتہ اس خاص رقم کو کہا جاتا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر لوگ دلہن والوں کو یا دولہے کو یا دلہن کو یا ایک دوسرے کو اس نیت سے دیتے ہیں کہ آج میں دے رہا ہوں کل کو ہمارے یہاں تقریب ہوگی تو یہ دے گا یہ طریقہ اور یہ رسم سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے یہ تو سود کی ایک شکل ہے آج آپ اس کو دے رہے ہیں کل کو وہ آپ کو دے گا یا آج آپ کے ہاں شادی ہے چند سال کے بعد جب اس کے یہاں شادی ہوگی تو آپ بھی اتنی ہی رقم یا اس سے زیادہ بڑھا کر رقم دیں گے شریعت کی روشنی میں یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔

میں نے بہت سے لوگوں کو ان مواقع پر کہتے دیکھا ہے کہ ہم نے تو چار پانچ سال پہلے اتنے روپے دیے تھے اب پانچ سال کے بعد یا چار سال کے بعد دنیا بھر کی مہنگائی بڑھ چکی ہے اور پھر بھی اس نے اتنے ہی پیسے دیے ہیں جتنے میں نے دیے تھے اسی طرح لوگ کھانے تک کو موضوع سخن بنا لیتے ہیں کہ ہم نے جب شادی کی تھی تو چار پانچ آئیٹم تیار کرائے تھے اور اس نے شادی کی ہے تو دو تین ہی آئٹم پر اکتفا کر لیا یہ نظریہ اور یہ سوچ شریعت اسلامیہ سے مزاحم اور متصادم ہے چنانچہ معارف القران کے مصنف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی لکھتے ہیں

"اس آیت سے ایک بری رسم کی اصلاح کی گئی جو عام خاندانوں اور اہل قرابت میں چلتی ہے، وہ یہ ہے کہ عام طور پر کنبے رشتے کے لوگ جو کچھ دوسرے کو دیتے ہیں، اس پر نظر ہوتی ہے کہ وہ بھی ہمارے وقت پر کچھ ادا کرے گا۔ خصوصاً نکاح، شادی وغیرہ کی تقریبات میں جو کچھ دیا جاتا ہے، اس کی یہی حیثیت ہوتی ہے، جس کو عرف عام میں نیوتہ کہتے ہیں۔ اس آیت

میں ہدایت کی گئی ہے کہ اہل قرابت کا جوحق پہلی آیت میں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کو یہ حق اس طرح دیا جائے کہ نہ ان پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلہ پر نظر رکھے اور جس نے بدل کی نیت سے دیا اس کا مال دوسرے عزیز رشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر آئیگا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں، قرآن کریم نے اس زیادتی کو ربا سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ صورت سود کی سی ہوگئی"۔

دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے اس سلسلہ میں استفتاء کیا گیا تو جواب دیا گیا کہ

اس نیت سے کسی کو ہدیہ دینا کہ یہ بھی اس کے بدلے میں ہمیں دے گا بُرا ہے جہاں ادلے بدلے میں دینے کا رواج ہو وہاں اسے ترک کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں بدلہ نہ ملنے پر شکایت ہوتی ہے اور دینے والے کو بھی واپس ملنے کا انتظار رہتا ہے۔

اسی طرح جن جگہوں میں نیوتہ کے نام سے دینے لینے کا رواج ہے وہ غلط رسم ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے اور اس رسم بد کو ترک کرنا لازم وضروری ہے کیونکہ ایسی جگہوں میں رجسٹر میں باقاعدہ رکاڈ رکھا جاتا ہے کہ ہم نے ان کے یہاں شادی میں اس قدر رقم دی تھی اب وہاں سے اس سے بدلے میں کیا آیا اسے بھی دیکھا جاتا ہے کم آنے پر یا بالکل نہ آنے پر شکوہ شکایت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یا کم سے کم دل سے برا سمجھا جاتا ہے اس لئے جو کچھ دینا ہوتا ہے وہ شرما حضوری اور دکھاوے کے لئے ہوتا ہے اور اس رسم بد کا دباؤ بھی ہوتا ہے جب کہ حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوشدلی کے لینا جائز نہیں یہاں بسا اوقات طیب خاطر مفقود ہوتی ہے۔

ارشاد خداوندی وَمَا اٰتَیْتُمْ مِنْ رِبًا لِّیَرْبُوَ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ. ترجمہ: جو چیز تم (دنیا کی غرض سے خرچ کروگے مثلاً کوئی چیز اس غرض سے کسی کو) دوگے کہ وہ لوگوں کے مال میں

(شامل ہوکر یعنی ان کی ملک و قبضہ میں) پہونچ کر (تمہارے لئے) زیادہ ہوکر آجائے (جیسا نیوتہ وغیرہ رسوم دنیویہ میں اکثر اسی غرض سے دیا جاتا ہے کہ یہ شخص ہمارے موقعہ پر کچھ اور زاید شامل کر کے دے گا) تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔

بنوری ٹاؤن کراچی کے دارالافتاء سے ایک صاحب نے اسی سلسلے میں ایک سوال کیا تو مفتیان کرام نے مدلل جواب تحریر فرمایے اس میں یہ بھی فرمایا کہ

"شادی اور ولیمہ کی دعوت میں آنے والے لوگ اگر صاحبِ دعوت یعنی دولہا یا دولہن کو اس لیے رقم یا لفافہ دیتے ہوں کہ بعد میں صاحبِ دعوت رقم یا لفافہ دینے والوں کی شادی کی دعوت میں اس سے زیادہ رقم واپس کرے گا تو یہ سودی قرض ہے اور سودی قرض لینا دینا ناجائز اور حرام ہے، اور اگر دینے والے اس نیت سے دیتے ہوں کہ صاحبِ دعوت ان کی دعوت میں اتنی ہی رقم واپس کرے گا تو یہ قرض ہے، اور اسی قدر واپسی لازم ہے، البتہ اگر واپس لینے کی نیت نہ ہو، خالص ہدیہ یا تعاون ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں"

لہذا آپ ایسی دعوتوں کو بے تکلف چھوڑ دیجئے اور ایسے نظریات رکھنے والوں کو بلانا بھی بالکل چھوڑ دیجئے عوام اور خلق کی رضا جوئی کے لیے اللہ تبارک وتعالی کی نافرمانی کرنا کسی بھی صورت جائز نہیں ہے **لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق.**

مخلوق کی رضا کے لیے اللہ تبارک وتعالی کے حکم سے انحراف اور انکار نہیں کیا جا سکتا ہے بہر حال یہ چند سطور تھیں جو مسطور ہوگئی ہیں باتیں تو بہت ہیں لیکن عقل والوں کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے امید کی ہم اپنی ذات سے رسموں کو زندہ رکھنے کے بجائے ان کو توڑنے اور ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔

گلاس کیسے پیش کریں؟

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رحمہ اللہ مظاہر علوم کے ناظم اور حضرت تھانوی کے خلیفہ تھے بڑے مربی، بڑے ادیب، بڑے بزرگ، حلیم المزاج، لطیف المزاج، بردبار انسان تھے، تاریخ مظاہر علوم میں شاید ہی ان جیسی صفات اور کمالات یکجا طور پر کسی ایک کے حصہ میں آئے ہوں۔ اپنے خادموں، شاگردوں اور مسترشدین کو معمولی معمولی باتیں اتنے پیار سے سکھاتے اور سمجھاتے تھے کہ پھر وہ بات تاعمر ازبر رہتی تھی۔ ویسے بھی دل سے نکلنے والی ہر بات طاقت پرواز نہ رکھنے کے باوجود اپنا اثر رکھتی ہے۔ پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹ سکتا ہے، پانی کے نرم و ملائم قطرے میں کوئی کاٹ نہیں ہوتی مگر مسلسل اور پیہم کسی پتھر پر تقاطر ہوتا رہے تو پتھر میں سوراخ ہو جاتا ہے، کنویں کی دیوار پر رسی کی رگڑ سے نالی بنتے میں نے بھی دیکھا ہے۔ قصہ مختصر ایک دن حضرت مولانا محمد اسعد اللہ نے پانی مانگا، حضرت مولانا محمد عبداللہ طارق میرٹھی ثم دہلوی اس وقت آپ کے پاس پڑھتے بھی تھے اور خدمت کی سعادت بھی انجام دیتے تھے فوراً اٹھے اور گلاس میں پانی بایں طور پیش کیا کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر گلاس رکھا تھا اور دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے گلاس کا نچلا حصہ تھام رکھا تھا، گلاس کا باقی اوپری حصہ حضرت کے پکڑنے کے لئے خالی چھوڑ رکھا تھا۔ یہ من پسند خوبصورت انداز ایک شاگرد کے ذریعہ مشفق استاذ نے دیکھا تو خوش ہو کر پوچھ لیا کہ بیٹے یہ طریقہ کہاں سے سیکھا؟ حضرت مولانا محمد عبداللہ طارق مدظلہ نے عرض کیا کہ حضرت یہ طریقہ تو میں نے آپ سے ہی سیکھا ہے یہ سن کر حضرت مزید خوش ہوئے۔

ایک ہم ہیں اکثر چیزوں میں ہم سے بے سلیقہ پن کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، ہم کسی کے سامنے دسترخوان پر پلیٹ رکھنے کے فن اور ہنر سے بھی واقف نہیں ہیں، بہت بار دیکھا جاتا ہے کہ پلیٹیں داغ دار ہیں، پلیٹوں کی صفائی اچھی طرح سے نہیں کی گئی ہے، یا پلیٹ سامنے رکھ دی گئی مگر اس میں پانی بھی نظر آ رہا ہے، کچھ لوگ اسی ہاتھ سے آپ کو گلاس تھما دیں گے جو پہلے ہی

کھانے وغیرہ سے سنے ہوئے ہیں سوچیں آپ نے جس کو گلاس دیا ہے وہ بڑا نفاست پسند ہے گلاس اگر کانچ کا ہوا تو آپ کے ہاتھوں کی گندگی واضح طور پر نظر آئے گی اور اس طرح وہ شخص آپ کی بے ترتیبی اور بے تربیتی سے بھنا جائے گا ممکن ہے وہ آپ کے اس گلاس کو ہاتھ ہی نہ لگائے۔ایسے موقع پر آپ گلاس اپنے سنے ہوئے ہاتھ سے نہ دیں یا ایسے دیں کہ آپ کے ہاتھ کی جھوٹن برتن میں نہ لگے۔ پلیٹ بالکل صاف دیں، اہم شخصیت ہو تو مزید اہتمام سے برتن پیش کریں۔ پلیٹوں کو دسترخوان پر بڑھانے کے لیے ہرگز نہ پھینکیں، نہ ٹکرائیں، ہر شخص کا گلاس بھی پلیٹ کی طرح الگ رہنا چاہئے۔

ایک تاجر نے دارقدیم مدرسہ مظاہرعلوم وقف سہارنپور کے بالکل سامنے کھانے کا ہوٹل کھولا، میں کھانے کے لئے پہنچا، کھانا آ گیا مگر گلاس پہلے والا ہی میز پر رکھا رہا۔ میں نے کہا بھی کہ گلاس بدل دو تو بڑی جرٲت کے ساتھ کہنے لگا کہ اجی مولانا صاحب مسلمان نے ہی یہ گلاس استعمال کیا ہے۔

میں اس کے منہ لگنا اور گلاس کو منہ لگانا مناسب نہ سمجھا اور نصف روٹی، نصف سالن پلیٹ میں بچا چھوڑ کر کاؤنٹر پر قیمت طعام کم کر کے دی۔ کہنے لگا روپے کم ہیں میں نے کہا کہ آدھی روٹی اور کچھ سالن باقی بچ گیا ہے اس کی قیمت میں نے کم دی ہے، کہنے لگا اجی بچا ہوا کھانا کون کھائے گا میں نے کہا میں الحمدللہ مسلمان ہوں بچا ہوا کھانا تم کھاؤ گے اور آگے کچھ بھی بولے گے تو تمہارا یہ ہوٹل الٹ دوں گا۔ جب میں تمہارے جھوٹے گلاس میں پی سکتا ہوں تو تم میری پلیٹ میں کیوں نہیں کھا سکتے۔

قصہ کوتاہ ہمیں ہر موقع پر اپنے سلیقہ اور تربیت کا لحاظ رکھنا چاہیے، بے سلیقہ پن سے بچنا چاہیے۔

صحت کی حفاظت کیجیے

الترغیب والترہیب میں علامہ منذری نے ایک مشہور روایت نقل فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔

اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے۔

اپنی صحت کو اپنے مرض سے پہلے۔

اپنے مال دار ہونے کو اپنی محتاجی سے پہلے۔

اپنی فراغت کو اپنی مصروفیت سے پہلے۔

اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔''

اس میں نمبر دو پر صحت کی حفاظت کا حکم ہے، ہمارا کمال یہ ہے کہ ہم نہ تو صحت کے دنوں میں اپنی صحت کے لیے فکر مند ہوتے ہیں نہ اپنے بال بچوں کی صحت کے بارے میں ہم کبھی سنجیدہ ہوتے ہیں، میں اکثر دیکھتا ہوں کہ اطباء اور علماء ہمیشہ اپنے اہل تعلق کو خوب سمجھاتے ہیں کہ بازاری چیزیں مت کھاؤ ان کا نقصان ان کے فائدوں پر بھاری ہے لیکن مجال ہے کہ ہم کان دھریں، ہمارے بچے چیز کی ضد کرتے ہیں اور ہم بے تکلف دکان پر پہنچ کر انھیں پسند ناپسند کا اختیار سونپ دیتے ہیں کہ جو مرضی ہو اٹھا لو بچہ نہایت ہی چٹ پٹی، اٹ پٹی اور عجیب وغریب چیزیں لے لیتا ہے، پرچون کی دکان پر بچوں کے کھانے پینے والی تقریبا ننانوے فیصد چیزیں نہایت گھٹیا رکھی جاتی ہیں کیونکہ خریدار عموما بچے ہوتے ہیں چاکلیٹ، ٹافیاں، کرکرے اور دیگر چیزیں نہایت گھٹیا تیل اور چیزوں سے تیار کی جاتی ہیں معیار بڑھے گا تو خریدار گھٹیں گے اور دکانداروں کو اس سے کوئی مطلب نہیں کہ کسی کی صحت خراب ہوتی یا کوئی بیمار ہوتا ہے ان کا حال تو

یہ ہے کہ

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کی پار ہو یا درمیاں رہے

نفع خوری اور بسیار فروختگی کے مزاج نے صحت کا بیڑہ غرق کر دیا ہے، دوسری طرف ہمارے چٹورے پن نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا، بریانی، حلیم، تہاری، نہاری، پائے، قلچے، جلیبی، رس ملائی، لسی، چائے وغیرہ کہاں کی مشہور ہے یہ ہم میں سے اکثر لوگ بتالیں گے لیکن نماز میں تلاوت کون سی مسجد میں زیادہ اچھی ہوتی ہے، کس استاذ کی تعلیم زیادہ عمدہ ہے، کس بزرگ کا فیض زیادہ عام ہے یہ بتانے والے پوروں پر نہیں انگلیوں پر بھی شمار کرنا مشکل ہو جائے گا۔

ہر حکیم اور ہر ڈاکٹر نصیحت کرتے نظر آتا ہے کہ ملاوٹی دودھ، ملاوٹی غذائیں آپ کے لئے زہر قاتل ہیں لیکن کون سنتا ہے، یہ زبان بھی اتنی چٹوری ہے کہ اس کو سادی چیزیں پسند ہی نہیں آتی ہیں، مرغن ملین ملون چیزیں ہی مرغوب ومطلوب ومحمود ومحبوب ہیں۔

کھانے پر کھانا کھانے کی ہماری عادت ہے، سرد وگرم اور رطب ویابس چیزیں لپیٹنے کا ہمارا مزاج ہے، جو کچھ بھی مل جائے سب ہضم ہے۔

انڈے کے ساتھ دسترخوان پر موجود کلفی، دہی، تھم سپ اور دودھ کے ساتھ لیموں پانی بصد ذوق وشوق استعمال کرتے ہوئے بہت سوں کو آپ نے بھی دیکھا ہوگا، جس طرح بعض دوائیں بعض دواؤں کے ساتھ نقصان دہ ہوتی ہیں بالکل اسی طرح ہر قسم کی رطب ویابس خشک وتر اور گرم وبارد غذائیں بھی آپس میں مخلوط ہو کر نظام انہضام کے لئے نقصان دہ ہو جاتی ہیں۔

گرمی کے موسم میں لیموں نہایت مفید ہے لیکن سردی میں لیموں کا استعمال سوچ سمجھ کر اور اطباء سے پوچھ پاچھ کر ہی کریں۔ کیونکہ موسم کے بدلتے ہی اشیاء کا مزاج بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔

دسترخوان بچھانے اور بیٹھنے کا سلیقہ

میں کسی صاحب کے گھر یا کسی مدرسہ میں گیا وہاں کھانے سے پہلے دسترخوان کے نیچے پہلے ایک کشادہ سی چادر بچھائی گئی، چادر کے اوپر دسترخوان بچھایا گیا، دسترخوان کی چوڑائی چادر سے کم تھی دونوں طرف چادر کا کافی حصہ باہر تھا لوگ دونوں طرف سے کھانے کے لئے بیٹھ گئے، کھانے سے فارغ ہوکر پہلے دسترخوان اٹھایا گیا، دسترخوان کے بعد وہ چادر اٹھائی گئی، یہ عمل میں نہایت تیقظ اور بیداری کے ساتھ دیکھتا رہا، میری عادت ہے کہ جہاں کہیں سے کوئی چیز سیکھنے کی ہوتی ہے سیکھنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں، یہاں سے میں نے یہ سیکھا کہ ہر دسترخوان پر کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں جو دسترخوان کی رعایت کے بجائے اپنی ناخواندگی کی روایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور کھانے کے کچھ نہ کچھ ذرات اور اثرات ورنہ کم از کم سالن کے کچھ قطرات ضرور دسترخوان سے باہر گرادیتے ہیں اس کی وجہ سے پہلے سے جو فرش بچھا ہوتا ہے وہ آلودہ اور داغ دار ہوجاتا ہے یہ اکلوتا داغ پورے فرش اور چادر کو بدنما کردیتا ہے، تکلیف تب ہوتی ہے جب چادر یا فرش مہنگے ڈرائی کلین سے دھلوایا گیا ہو اور موصوف نامحترم نے اپنی عدم تربیت کے زریں اثرات چھوڑ دیے ہوں۔

بڑی چادر کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر دسترخوان سے باہر کوئی چیز گرگئی ہے تو بھی نیچے والی چادر اور فرش محفوظ رہے گا۔

دریا گنج نئی دہلی فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین کی دعوت تھی کئی خدام ہمراہ تھے، سب سے پہلے ایک خوبصورت تولیہ دیا گیا تاکہ اپنے اپنے دامن پر بچھالیا جائے تاکہ خدانخواستہ اگر کوئی چیز گرے تو دامن خراب نہ ہو۔ لطف کی بات یہ تھی یہ مہنگا تولیہ سب کو گفٹ یعنی ہدیہ تھا واپس نہیں کرنا تھا۔

مجھے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی کا واقعہ یاد آرہا ہے جو بڑا اسبق آموز اور بصیرت افروز ہے اور سچ بات تو یہ ہے کہ یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے بھی مفید ہے جو اپنے آپ کو تربیت یافتہ سمجھتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

"ایک مرتبہ میرے والد ماجد میاں جی حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمہ اللہ دیوبندی کے گھر ملاقات کے لیے گئے، کھانے کا وقت آ گیا تو بیٹھک میں دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا گیا، کھانے سے فارغ ہونے پر والد صاحب دسترخوان سمیٹنے لگے؛ تاکہ اسے کہیں جھٹک آئیں، حضرت میاں صاحب نے پوچھا: ''یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ والد صاحب نے عرض کیا: حضرت دسترخون سمیٹ رہا ہوں؛ تاکہ اسے کسی مناسب جگہ پر جھٹک دوں، میاں صاحب بولے، کیا آپ کو دسترخوان سمیٹنا آتا ہے،؟ والد صاحب نے عرض کیا: کیا یہ بھی کوئی فن ہے؟ میاں صاحب نے جواب دیا: جی ہاں، یہ بھی ایک فن ہے اور اسی لیے میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ کام آتا ہے یا نہیں، والد صاحب نے درخواست کی کہ حضرت! پھر تو یہ فن ہمیں بھی سکھا دیجیے، میاں صاحب نے فرمایا کہ آیئے! میں آپ کو یہ فن سکھاؤں۔ یہ کہہ کر انہوں نے دسترخوان پر بچی ہوئی بوٹیاں الگ کیں، ہڈیوں کو الگ جمع کیا، روٹی کے جو بڑے ٹکڑے بچ گئے تھے، انھیں چن چن کر الگ اکٹھا کر لیا، پھر فرمایا کہ میں نے ان میں سے ہر چیز کی الگ جگہ مقرر کی ہوئی ہے، یہ بوٹیاں میں فلاں جگہ اٹھا کر رکھتا ہوں، وہاں روزانہ بلی آتی ہے اور یہ بوٹیاں کھا لیتی ہے، ان ہڈیوں کی الگ جگہ مقرر ہے، کتے کو وہ جگہ معلوم ہے اور وہ وہاں آ کر یہ ہڈیاں اٹھا لیتا ہے، اور روٹی کے یہ ٹکڑے میں فلاں جگہ رکھتا ہوں، وہاں پرندے آتے ہیں اور یہ ٹکڑے ان کے کام آتے ہیں اور یہ جو روٹی کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں یہ میں چیونٹیوں کے

کسی بل کے پاس رکھ دیتا ہوں اور یہ ان کی غذا بن جاتی ہے۔اور پھر فرمایا: یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کا رزق ہیں، ان کا کوئی حصہ اپنے امکان کی حد تک ضائع نہیں ہونا چاہیے۔(ذکر وفکر۳۴)۔

ایک مدت پہلے میرے ایک عزیز میرے گھر آئے وہ بے چارے دسترخوان سے ہی ناواقف تھے، میں نے دسترخوان بچھایا تا کہ کھانا کھلاؤں لیکن وہ صاحب دسترخوان کو بیٹھنے کی چادر سمجھے اور آرام سے دسترخوان پر چڑھ کر شان سے بیٹھ گئے، مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن صبر اور رحم بھی فوراً آ گیا اور سوچا کہ ان بے چاروں کو جب ایسے مواقع اور محل سے واسطہ ہی نہیں پڑا ہے تو انھیں کیا پتہ کہ دسترخوان کیا چیز ہوتی ہے اور اس کا کیا مصرف ہے۔انسان مختلف مواقع، علاقہ، تہذیبوں سے بہت کچھ سیکھ لیتا ہے کنویں کے مینڈک کو کیا پتہ کہ دنیا کتنی بڑی اور پانی کی دنیا کیسی ہے۔

آپ جب بھی دسترخوان پر بیٹھیں تو اپنے کپڑوں سے زیادہ نیچے بچھے فرش اور چادر کا خیال ضرور رکھیں کیونکہ بعد میں خواتین مدت تک ہماری اس غلطی کا تذکرہ کرتی ہیں کہ فلاں صاحب آئے تھے کھانا کھا گئے اور ہماری چادر گندی کر گئے۔

☆☆☆

قسط چہارم

اسماء حسنٰی کے معارف

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

سکون کی تلاش

یاد رکھیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا نام برکت والا ہے اسی طرح اس کی ذات بھی برکت والی ہے۔اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

تبارک الذی بیدہ الملک (الملک:۱)

(برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے ملک)

جب بندہ اس ذات کے ساتھ واصل ہوتا ہے تو اس بندے کی زندگی میں بھی برکتیں آ جاتی ہیں۔آج ہماری زندگی میں برکتیں نہیں۔نہ پیسے کی کمی ہے، گھر بھی ہے، اولاد بھی ہے، کاریں بھی ہیں، بہاریں بھی ہیں مگر سکون نہیں ہے۔سکون نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ برکت نہیں ہے۔ یہ برکت کیسے آئے گی؟ جب ہم اپنی زندگی میں اللہ رب العزت کے نام کثرت سے ذکر کریں گے اور اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق بنالیں گے تو پھر ہماری زندگیوں میں اللہ رب العزت کے نام کی برکت آ جائے گی۔سکون کی تلاش میں مارے مارے پھرنے والوں کے لیے یہ مژدۂ جانفزا ہے۔

عین الیقین کا مقام حاصل کرنے کی ضرورت

ایک نکتے کی بات عرض کر دیتا ہوں۔اسے توجہ سے سنیے گا۔یقین کے تین درجے ہیں:

(۱)علم الیقین (۲)عین الیقین (۳)حق الیقین

مثال سے یہ بات ذرا جلدی سمجھ میں آئے گی۔آپ سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے کسی دوست کے پاس پہنچے۔وہ کہتا ہے، میں ابھی چائے لاتا ہوں۔جب اس نے کہا کہ چائے لاتا ہوں تو آپ کو علمی طور پر پکا یقین ہوگا کہ وہ گرم گرم چائے لائے گا۔اس کو علم الیقین کہتے ہیں۔ اور اگر اس نے وہ چائے کا کپ آپ کے سامنے لاکر رکھ دیا اور آپ نے اس کے اندر سے بخارات اٹھتے دیکھے، اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔اس کے بعد آپ نے جب اس چائے کو نوش کیا تو پتہ چلا کہ وہ واقعی گرم چائے تھی۔اسے حق الیقین کہتے ہیں۔

صحابۂ کرام کو حق الیقین کا مقام نصیب تھا۔چناں چہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جنت اور جہنم پر اتنا یقین ہے کہ اگر وہ میرے سامنے آجائیں تو میرے یقین میں ذرّہ برابر بھی اضافہ نہ ہو۔یہاں نکتے کی بات ہے ہمارے مشائخ نے کہا کہ موت کے وقت اس بندے کا ایمان سلامت رہتا ہے جس کو کم از کم عین الیقین کا مقام نصیب ہو، اور علم الیقین والے خطرے میں ہوتے ہیں وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کاروبار تو ڈٹ کے کرتے ہیں مگر غفلت بھری زندگی گزارتے ہیں۔وہ نماز بھی ظاہر داری کی پڑھتے ہیں۔ان کی فقط حاضری ہوتی ہے حضوری نہیں۔وہ سارا دن دکان کے اندر ہوتے ہیں اور جب نماز پڑھنے لگتے ہیں تو دکان ان کے اندر ہوتی ہے۔ایسی نمازوں سے ایمان و یقین میں کمال پیدا نہیں ہوتا۔اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے اور اللہ کے راستے میں قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔اس لیے اپنے یقین کو علم الیقین کے مقام سے اوپر اٹھا کر کم از کم عین الیقین تک پہنچایا جائے۔اور عین الیقین کا مقام تب ملے گا جب اللہ کا ذکر کر کر کے اس کی برکتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔اس لیے نبی ﷺ نے دعا مانگی۔

اللھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی

(اے اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقت دکھا دیجیے جیسی کہ وہ ہیں)

کیا ہمیں بھی چیزوں کی حقیقت نظر آتی ہے؟ ہر چیز ذکر کرتی ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں۔

وان من شیء الا یسبح بحمده ولکن لاتفقهون تسبیحهم

(اور جو کوئی بھی چیز ہے وہ اللہ کے نام کی تسبیح کر رہی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔)

(بنی اسرائیل:۴۴)

کیا کبھی ہمارے دل میں تمنا پیدا ہوئی ہے کہ ہم بھی ان کی تسبیح کو سمجھ سکیں۔ ہاں جب سالک کا دل جاری ہوتا ہے تو پھر اس کو اللہ کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ جب سالک ذکر کرتے کرتے سلطان الاذکار کے سبق پر پہنچتا ہے تو اسے اس وقت ایسا مقام نصیب ہو جاتا ہے کہ اس کے جسم کا رواں رواں اللہ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے اسے ہر چیز ذکر کرتی سنائی دیتی ہے۔ چناں چہ حضرت مولانا علی احمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے کپڑا بھی اللہ کا ذکر کرتا سنائی دیتا ہے اور ہوا بھی اللہ کا ذکر کرتی سنائی دیتی ہے۔ سبحان اللہ انہوں نے دنیا میں اللہ کی نشانیوں کو دیکھا ہے۔ کیا ہم نے بھی کوئی نشانی دیکھی؟ کون دیکھے؟ ہمیں تو شکلیں صورتیں دیکھنے سے ہی فرصت نہیں ہے۔

اللہ اللہ کرنے کی مقدار

اگر ہم اللہ کے نام کی برکتوں سے واقف ہونا چاہیں تو ذرا اسے آزما کر دیکھیں۔ اس کو دل میں سے بار بار گزارنا پڑتا ہے، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بار گزارنا پڑتا ہے تب اس کی تاثیر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ دیکھیں، ہر چیز کی ایک مقدار ہوتی ہے۔ قرآن عظیم الشان کہتا ہے:

وکل شیء عنده بمقدار (الرعد:۸)

(اور اللہ تعالی کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار مقرر ہے۔)

جب ایک بندے کو بخار ہوتو ڈاکٹر اسے اینٹی بائیوٹک ادویات پانچ دن تک صبح دو پہر شام کھانے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک مستقل مقدار ہے۔ اگر کوئی آدمی پانچ دن کی بجائے دو دن کھائے تو اسے تیسرے دن پھر بخار ہوجائے گا۔ ڈاکٹر اسے نئے سرے سے پانچ دن ادویات کھانے کو کہے گا۔ جس کو ہیپا ٹائٹس سی ہوجاتا ہے اس کو تقریباً نوے ٹیکے لگتے ہیں اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ دمیان میں ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ایک بھی ناغہ ہوگیا تو پھر نئے سرے سے لگوانے پڑیں گے۔ نوے ٹیکے ایک مقررہ مقدار ہے، اگر یہ مقدار پوری ہوگی تو بیماری ختم ہوگی ورنہ آدمی موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ Tuberculosis ٹی بی کے مریضوں کو متواتر نو مہینوں تک دوائی لینی پڑتی ہے۔ اگر ایک وقت بھی ناغہ ہوجائے تو کہتے ہیں کہ پہلے والی دوائی ختم، اب پھر نئے سرے سے شروع کی جائے گی۔ اسی طرح اگر اللہ تعالی کے نام کی برکت معلوم کرنی ہوتو اس کی بھی ایک مقدار ہے۔ جب ہم اللہ کے نام کو اس مقدار کے مطابق دل سے گزاریں گے تو پھر دل کی بیماریاں دور ہوجائیں گی اور اس کی برکتیں ظاہر ہوجائیں گی۔ ایک مثال عرض کیئے دیتا ہوں اگر پانی کی ٹونٹی لیک ہو اور قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا ہوتو وہ پانی کا قطرہ چپس یا پتھر کے فرش میں بھی سوراخ کردیتا ہے۔ اب بتایئے کہ اگر پانی کا قطرہ تواتر کے ساتھ بار بار ٹپکے تو وہ پتھر میں بھی راستہ بنالیتا ہے، کیا اللہ رب العزت کا نام اگر بار بار بندے کے دل پر پڑے تو کیا یہ اس کے دل میں راستہ نہیں بنا سکتا؟ جی ہاں، یہ بھی دل میں راستہ بناتا ہے مگر ہم اس کا ذکر بار بار نہیں کرتے۔ آج کل کے سلوک سیکھنے والے بھی بڑی شان والے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ مراقبہ کیا ہے؟ کہتے ہیں، یاد ہی نہیں رہا، وقت ہی نہیں ملتا۔

وہ تجلی کی تاب نہیں لا سکا

سید احمد بدویؒ شہر فاس کے مشہور ولی اللہ گزرے ہیں۔ ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے

کہ وہ گھنٹوں نہیں بلکہ دنوں تک مراقبہ کرتے تھے۔ اس مراقبے میں ان کو اللہ کی طرف سے معرفت کا وہ نور نصیب ہوا کہ ان کے چہرے پر اتنی نورانیت تھی کہ لوگ ان کے چہرے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ چناں چہ جب وہ لوگوں میں آتے تھے تو اپنے چہرے کو چھپاتے تھے۔ عبدالمجید نامی ان کا ایک خادم تھا۔ اس نے ان کی کئی سال خدمت کی۔ ایک دن حضرت اس سے بڑے خوش ہوئے اور دعائیں دینے لگے۔ اس نے موقع پا کر عرض کیا حضرت! آپ کے چہرے کا دیدار کیے ہوئے بہت مدت گزر چکی ہے، اب میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے چہرے کا دیدار کرلوں، آپ اس وقت خوش ہیں لہذا مہربانی فرما کر اپنے چہرے کا دیدار کروا دیجئے۔ اس کے کہنے پر حضرت نے نقاب اٹھا دیا۔ ان کے چہرے کا نور اتنا تھا کہ عبدالمجید اس تجلی کی تاب نہ لا سکا۔ چناں چہ وہ وہیں گرا اور اپنی جان دے دی۔ اللہ اکبر!

آنسوؤں سے خوشبو

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابوالحمد سیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ انہیں اللہ کی ایسی محبت نصیب تھی کہ جب وہ اللہ کی محبت میں روتے تھے تو ان کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں سے مشک جیسی خوشبو آیا کرتی تھی۔ اللہ اکبر، محبت الہی میں نکلے ہوئے آنسوؤں کی قدر دیکھو وہ فرماتے ہیں کہ لوگ خود ان کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں سے مشک کی سی خوشبو سونگھا کرتے تھے۔

منہ سے خوشبو

امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے منہ سے خوشبو آتی رہتی تھی۔ کسی نے پوچھا، حضرت! آپ کے منہ سے بڑی خوشبو آتی ہے، آپ منہ میں کیا رکھتے ہیں؟ فرمانے لگے، میں تو کچھ نہیں رکھتا۔ اس نے کہا کہ ہمیں آپ کے منہ سے عنبر سے زیادہ بہتر خوشبو محسوس

ہوتی ہے۔فرمانے لگے، ہاں ایک مرتبہ خواب میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا دیدار نصیب ہوا۔ میرے آقاﷺ نے ارشاد فرمایا، عاصم! تم سارا دن اخلاص کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے پڑھاتے ہو، کیوں نہ میں تمہارے منہ کو بوسہ دوں۔چناں چہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے میرے منہ کو بوسہ دیا تو اس وقت سے میرے منہ سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔

جی ہاں، محبت کا تعلق جوڑ کر تو دیکھیں۔ہمیں تو نفس اور شیطان آگے بڑھنے ہی نہیں دیتے۔ہم تو مخلوق میں ہی اٹکے پھرتے ہیں۔ہم کیا جانیں کہ اللہ رب العزت کی محبت کا نشہ کیا ہوتا ہے۔

اسمِ ذات کے لیے انا اور نحن کا استعمال

طالب علموں کے لیے ایک علمی نکتہ عرض کرتا چلوں۔اللہ رب العزت نے اپنی ذات کے لیے کہیں انا کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور کہیں نحن کا لفظ۔اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھیں کہ اللہ رب العزت جب مجرد ذات کا ذکر کرتے ہیں تو انا کا صیغہ استعمال فرماتے ہیں اور جب ذات اور صفات کا تذکرہ فرماتے ہیں تو نحن کا صیغہ استعمال فرماتے ہیں۔مثال کے طور پر

☆ مجرد ذات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی۔(طہ:۱۴)

(میں ہی خدا ہوں۔میرے سوا کوئی خدا نہیں پس میری عبادت کرتے رہو)

☆اور ذات اور صفات دونوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ونحن اقرب الیہ من حبل الورید(ق:۱۶)

(اور ہم اس کو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)

پروردگار عالم کا اپنے عاشقوں سے پیار

اللہ تعالی کو اپنے عاشقین سے اتنی محبت ہے کہ جب قرآن مجید میں ان کا تذکرہ کیا تو فرمایا:

یحبھم ویحبونہ (المائدہ:۵۴)

(اللہ تعالی ان سے محبت کریں گے اور وہ اللہ تعالی سے محبت کریں گے۔)

عقل کہتی ہے کہ یوں فرمانا چاہئے تھا کہ یہ اللہ تعالی سے محبت کریں گے اور اللہ تعالی ان سے محبت کریں گے، مگر نہیں، محبت چیز ہی کچھ اور ہے۔ پروردگار عالم کو اپنے عشاق سے اتنا پیار ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں **یحبھم** (اللہ تعالی ان بندوں سے محبت کریں گے) **ویحبونہ** (اور یہ بندے اللہ تعالی سے محبت کریں گے) اپنی محبت کو مقدم فرمایا۔ اسی لیے حدیث قدسی میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

الا طال شوق الابرار الی لقائی وانا الیھم لاشد شوقا

(جان لو کہ نیک لوگوں کا شوق میری ملاقات کے لیے بڑھ گیا اور میں ان کی ملاقات کے لیے ان سے بھی زیادہ مشتاق ہوں۔)

جب کہ دنیا یہ کہتی ہے کہ

الفت میں جب مزہ ہے کہ ہوں وہ بھی بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

مگر یہاں معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ عشق کی جتنی آگ سالک کے دل میں ہوتی ہے اللہ رب العزت اس سے بڑھ کر اس سے پیار فرماتے ہیں۔ اسی لیے اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جب میری طرف چل کر آتا ہے تو آکر وہ ایک قدم چلتا ہے تو میری رحمت دو قدم آگے بڑھتی ہے، اگر وہ ایک بالشت آتا ہے تو میری رحمت اس کی طرف دوڑ کر جاتی ہے۔ پتہ چلا کہ جتنا پیار بندہ اپنے رب سے کرتا ہے اللہ رب العزت اس سے بڑھ کر اس سے پیار کرتے ہیں۔ اس لیے خوش نصیب ہے وہ بندہ جو اللہ تعالی سے ٹوٹ کر

پیار کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنے عاشقین کو دنیا میں چار انعامات عطا فرماتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے ان کو بغیر خاندان کے عزت عطا فرماتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے عزت ملتی ہے۔ جو اللہ کا بن جاتا ہے، خواہ وہ معمولی ذات پات کا بھی ہو، اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ایسی محبت بٹھا دیتے ہیں کہ اس کو عزتیں نصیب ہو جاتی ہیں۔

(۲) دوسرا انعام یہ ملتا ہے کہ بغیر کسب کے اللہ تعالی ان کو علم عطا فرماتے ہیں۔ ایک علم کسبی ہوتا ہے جو مدارس میں درس و تدریس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور ایک علم لدنی ہوتا ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں یوں فرمایا:

فوجدا عبدا من عبادنا آتینه رحمة من عندنا وعلمنه من لدنا علما. (الکہف:۶۵)

(پس پالیا انہوں نے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ، جس کو ہم نے اپنے پاس رحمت دی تھی اور اپنے پاس سے علم دیا تھا۔)

(۳) تیسرا انعام یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بغیر مال کے رزق عطا فرما دیتے ہیں۔ وہ ظاہر میں تو فقیر ہوتا ہے مگر دل کا بڑا امیر ہوتا ہے۔ امیروں کے پاس بھی ایسے دل نہیں ہوتے جو اللہ تعالی اپنے ولیوں کو عطا فرما دیتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے عاشقین کو چوتھا انعام یہ دیتے ہیں کہ بغیر جماعت کے ان کو انس عطا فرما دیتے ہیں۔

جنتیوں کے چار گروہ

گھروں میں عام لوگ مہمان آتے ہیں تو آدمی اپنے نوکر سے کہہ دیتا ہے کہ ان کو پانی پلاؤ

لیکن جب قریبی رشتہ دار آتے ہیں تو خود جگ ہاتھ میں لے کر ان کو پلا رہا ہوتا ہے۔ یہ عزت افزائی کی وجہ سے ہے۔اسی طرح جنت میں جنتیوں کے چار گروہ ہوں گے۔

(۱) ایک گروہ وہ ہوگا کہ جن کو جنت کے خدام مشروب پلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ویطوف علیهم ولدان مخلدون۔(الواقعہ:۱۷)

(چکر لگاتے ہیں ان کے اردگرد لڑکے ہمیشہ کے لیے رہنے والے)

یہ جنت کے خادم ہوں گے۔ جو ان کو مشروب پلائیں گے۔

(۲) پھر ایک اور جماعت ایسی ہوگی جن کو ملائکہ مشروب پلائیں گے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

بیضاء لذة للشٰربین

(سفید رنگ کی پینے والوں کو مزہ دینے والی)

اللہ کے فرشتے پلا رہے ہوں گے۔

(۳) ایک جماعت ایسی ہوگی جن کو جنت کے داروغے مشروب پلائیں گے۔

ومزاجه من تسنیم

(اور اس میں ملاوٹ ہے تسنیم سے)

اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ رضوان جنت خود ان کو مشروب پلائیں گے۔

(۴) ایک جماعت ایسی ہوگی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وسقاهم ربهم شرابا طهورا

(ان کا پروردگار ان کو شراب طہور پلائے گا۔)

علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک صائم الدہر کو دیکھیں گے اور مسکرا کر فرمائیں گے،''اے

میرے عاشق! تو میری خاطر پیتا نہ تھا اب پی لے، تو کھاتا نہ تھا اب کھا لے، تو اب میرا مہمان ہے اور میں تیرا میزبان ہوں۔''

نزلا من غفور رحیم۔(حم سجدہ:۳۲)

(مہمانی ہے بخشنے والے مہربان کی جانب سے)

محبت الٰہی مانگنے کی تعلیم

اللہ کے محبوب ﷺ نے ہمیں اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ مثال کے طور پر

☆ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ دعا مانگی:

اللھم انی اسئلک حبک وحب من یحبک

(اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں اور آپ سے محبت کرنے والوں کی محبت مانگتا ہوں۔)

☆ ایک اور موقع پر فرمایا:

اللھم اجعل حبک احب الی من الماء البارد

(اے اللہ! اپنی محبت کو میرے نزدیک ٹھنڈا پانی پینے سے زیادہ مرغوب بنا دے۔)

جب بندہ صحرا میں ریت پر چل رہا ہو، سخت گرمی ہو، پانی نہ ملے اور جان نکل رہی ہو تو اس وقت وہ ٹھنڈا پانی بڑی رغبت سے پیتا ہے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے دعا میں یہی عرض کیا کہ اے اللہ! جس طرح وہ بندہ رغبت اور شوق سے اس ٹھنڈے پانی کو پیتا ہے مجھے بھی تیری محبت کی لذت اس سے زیادہ نصیب ہو جائے۔

☆ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے محبوب ﷺ نے دعا مانگی

اللھم انی اسئلک شوقا الی لقائک ولذۃ النظر الی وجھک الکریم

(اے اللہ! میں آپ سے ملاقات کا شوق مانگتا ہوں اور آپ سے آپ کے کریم چہرے کو دیکھنے کی لذت طلب کرتا ہوں۔)

دنیا اور آخرت میں خوش خبری

اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے عاشقوں کا بڑا مقام ہے۔ دنیا میں بھی ان کی عزت افزائی فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تو یہ خوش خبری سنائی کہ

ھم رجال لایشقی جلیسھم

(یہ اللہ رب العزت کے وہ بندے ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بندہ کبھی بد بخت نہیں ہوتا)

اور آخرت میں کیسے عزت افزائی فرمائیں گے؟

کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک آدمی فوت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرمادی۔ اس نے پوچھا، اے پروردگار عالم آپ نے مجھے کس عمل کی وجہ سے بخشا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، میرے بندے! تیرا ایک عمل تیرے نامۂ اعمال میں ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ اس نے کہا، اے اللہ! میرے تو سارے اعمال ہی خراب ہیں، میں غافل اور بدکار تھا، آپ کو میرا کون سا عمل پسند آیا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، تیرے نامۂ اعمال میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میرا ایک ولی بایزید بسطامی راستے میں جا رہا تھا، تمہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ کون ہے، تم نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بایزید بسطامیؒ ہیں، تم نے پہلے سن رکھا تھا کہ وہ اللہ کے دوستوں میں شمار ہوتے ہیں، لہٰذا تم نے محبت سے میرے ولی پر نظر ڈالی تھی میں نے اسی ایک نظر کے ڈالنے کی برکت سے تمہارے گناہوں کی بخشش فرمادی ہے۔ سبحان اللہ۔

☆☆☆

خبرنامہ

وزیر خارجہ جے شنکر کی افغان وزیرامیر خان متقی سے پہلی باضابطہ بات چیت

نئی دھلی (ایجنسیاں) ہندوستان نے پہلی بار طالبان کے زیر قیادت افغان حکومت کے ساتھ وزارتی سطح پر باضابطہ سفارتی رابطہ قائم کیا ہے۔ جمعرات کی شام وزیر خارجہ ڈاکٹر ایس جے شنکر نے افغانستان کے قائم مقام وزیر خارجہ مولوی امیر خان متقی سے ٹیلی فون پر گفتگو کی۔ یہ بات چیت ایسے وقت میں ہوئی ہے جب چند روز قبل طالبان انتظامیہ نے جموں وکشمیر کے پہلگام میں ہونے والے دہشت گردانہ حملے کی کھل کر مذمت کی تھی۔ پہلگام میں ۲۲ر اپریل کو پیش آئے اس دہشت گردانہ حملے میں ۲۶ معصوم شہری جاں بحق اور متعدد زخمی ہوگئے تھے۔ طالبان حکومت کی جانب سے اس واقعہ کی کھلی مذمت کو ہندوستان نے ایک مثبت اور اہم اشارے کے طور پر دیکھا، جس کے بعد دونوں وزرائے خارجہ کے درمیان براہ راست رابطہ ممکن ہوسکا۔ وزیر خارجہ جے شنکر نے گفتگو کے بعد سماجی رابطے کے پلیٹ فارم ''ایکس'' پر اپنے پیغام میں کہا کہ قائم مقام افغان وزیر خارجہ مولوی امیر خان متقی سے شام کے وقت مفید گفتگو ہوئی۔ پہلگام دہشت گرد حملے کی مذمت کا نوٹس لیا گیا۔ افغان عوام کے ساتھ روایتی دوستی اور ترقیاتی تعاون پر زور دیا۔ آئندہ باہمی تعاون کے امکانات پر بھی تبادلہ خیال کیا۔ واضح رہے کہ ہندوستان نے اب تک طالبان حکومت کو رسمی طور پر تسلیم نہیں کیا ہے، تاہم زمینی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے محدود اور نپی تلی سفارت کاری کا راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس سے قبل ۲۷ر اپریل کو کابل میں ہندوستانی سینئر سفارت کار آنند پرکاش نے امیر خان متقی سے ملاقات کی تھی لیکن جے شنکر اور متقی کے درمیان یہ گفتگو پہلی وزارتی سطح کی سرکاری بات چیت تصور کی جارہی ہے۔ قندھار ہائی جیک ۱۹۹۹ (طیارہ اغوا) واقعہ کے دوران اس وقت کے وزیر خارجہ جسونت سنگھ کی طالبان وزیر وکیل متوکل سے بات چیت کے بعد یہ پہلا موقع ہے جب ہندوستان نے طالبان قیادت سے اتنی اعلیٰ سطح پر رابطہ کیا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ حالیہ بات چیت ہندوستان کی اسٹریٹجک سفارت کاری کا حصہ ہے، جس کے تحت وہ طالبان سے براہ راست رابطہ قائم کرکے افغان عوام کے ساتھ تعلق اور خطہ میں استحکام کو یقینی بنانے کی کوشش کررہا ہے۔............

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، دہلی ۱۷ر مئی ۲۰۲۵ء)